محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلموں

کی نظر میں

محمد حنیف یزدانی

سنت الرسول ہیں۔ قرآن حکیم کلام الٰہی ہے جسے پوری انسانیت کے لیے مستقل ضابطۂ حیات بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اس میں ہر بات کھول کھول کر بیان کر دی گئی ہے۔ چنانچہ اسے ''بیان للناس،، قرار دیا گیا ہے۔ اس میں خدا ترس لوگوں کے لیے ہدایت کا انمول ذخیرہ ہے۔ اس لیے اسے **"ھدی للمتقین"** کہا گیا ہے۔ اہل ایمان کے ہر درد کا درماں اس مقدس کتاب میں موجود ہے۔ اسے **"شفاء للمؤمنین"** کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم کی اس ہدایت سے فائدہ اٹھانے کے لیے حدیث کی تعلیم بھی ضروری ہے۔ خود قرآن حکیم نے اس کی تلقین کی ہے۔ ارشاد باری ہے :۔

ما اٰتکم الرسول فخذوہ ونھٰکم عنہ فانتھوا

"یعنی جو کچھ رسول[ص] پاک عطا کریں قبول کرو اور جس بات سے روکیں اس سے بچتے رہو،،۔ گویا قرآن حکیم کی ہدایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی تعلیم یعنی سنت رسول[ص] کو برحق ماننا لازم اور اس کی اطاعت واجب ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث نبوی بھی کلام اللہ کی طرح ایک معیار ہے اور اس کا منکر بھی کافر ہے۔

اسلامی تعلیمات کے صحیح فہم کے لیے قرآن حکیم اور

حدیث پاک کا علم حاصل کرنا ضروری ہے - قرآن حکیم کی تعلیم کی فضلیت کے متعلق حضور پاک ﷺ نے فرمایا ہے خیرکم من تعلم القرآن و علمہٗ یعنی تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن کی تعلیم حاصل کرے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دے - حدیث رسول ؐ کی تعلیم کے متعلق بھی متعدد روایات ملتی ہیں - حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو کوئی میری چالیس حدیثوں کو محفوظ کرے گا اس کے لیے جنت واجب ہوگی - اس ارشاد کی روشنی میں ہر مسلمان کو چاہیے کہ کم از کم چالیس احادیث یاد کرے ، ان کو سمجھے اور ان کی تبلیغ کرے -

سیرۃالنبی ؐ کا مطالعہ بھی اسلام کی اکملیت کی شہادت دیتا ہے - حضورپاک ﷺ کی حیات طیبہ میں شخصی اوراجتماعی زندگی کے اعلیٰ نمونے ملتے ہیں - آپ نے اپنے طرزعمل سے ثابت کر دیا کہ اسلام انفرادی اخلاق سے لے کر معاشرت و سیاست اور بین الاقوامی معاملات تک کے متعلق واضح ہدایات رکھتا ہے - خلفائے راشدین نے اپنے عہد مبارک میں اسلام ہی کے اصولوں پر عمل کر کے دنیا کی سب سے بڑی مملکت کی بنیاد رکھی تھی - آج تک انسانی تاریخ میں ایسی فلاحی مملکت

ی کوئی مثال نہیں ملتی ۔ اب بھی نوع انسانی کی فلاح اسی
ں ہے کہ خلافتِ راشدہ کے روشن دور کی طرف پلٹ جائے ۔
سلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم اسلام کی
لیغ اور اپنے عمل سے اس کی صداقت کی شہادت سے انسانیت
ی رہنمائی کریں ۔

القرآن

سورۃ الضحیٰ سے الناس تک

۱ - اَلضُّحٰی

(نمبر شمار ۹۳ - مکے میں نازل ہوئی - کل آیات ۱۱ ہیں)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے -

وَالضُّحٰىۙ (۱) قسم ہے چاشت کی

وَالَّيۡلِ اِذَا سَجٰىۙ (۲) اور رات کی جب چھا جائے -

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰىؕ (۳) تیرے رب نے تجھے چھوڑا نہیں اور نہ وہ بیزار ہوا

وَلَلۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لَّكَ مِنَ الۡاُوۡلٰىؕ (۴) اور یقیناً بعد کی حالت تیرے لیے پہلی حالت سے بہتر ہے -

وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰىؕ (۵) اور تیرا رب تجھے جلد عطا کرے گا سو تو خوش ہو جائے گا -

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيماً فَاٰوٰى ۝	(٦) کیا اس نے تجھے یتیم نہ پایا تھا تو ٹھکانا دیا ؟
وَوَجَدَكَ ضَآلاً فَهَدٰى ۝	(۷) اور تجھے سرگرداں پایا تو ہدایت دی ۔
وَوَجَدَكَ عَآئِلاً فَاَغْنٰى ۝	(۸) اور تنگ دست پایا تو غنی کر دیا ۔
فَاَمَّا الْيَتِيمَ فَلاَ تَقْهَرْ ۝	(۹) پس تو یتیم پر سختی نہ کر
وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلاَ تَنْهَرْ ۝	(۱۰) اور سوالی کو نہ جھڑک
وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ع	(۱۱) اور اپنے پروردگار کی نعمت کا ذکر کرتا رہ ۔

مشکل الفاظ اور تشریح :-

وَ الضُّحٰى ۔ چاشت کے وقت کو ''الضُّحٰى'' کہتے ہیں یعنی صبح دھوپ چڑھنے کا وقت ۔ اس سے پہلے حرف ''واو'' قسم کے معنوں میں آیا ہے یعنی دھوپ چڑھنے کے وقت (چاشت) کی قسم ۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کلام کی سچائی پر دن کی روشنی گواہ ہے ۔

وَ الَّيْلِ اِذَا سَجٰى (رات کی قسم جب چھا جائے) ''سَجیٰ'' رات کے اندھیرے کے چھا جانے کے علاوہ سکون اور آرام طاری

ہو جانے کو بھی کہا جاتا ہے جو رات کے وقت دنیا پر چھا جاتا ہے ۔ رات کے اندھیرے اور سکون سے یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ اگر بظاہر کوئی تکلیف آئے تو اس سے پریشان نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اکثر تکلیف ہی میں راحت چھپی ہوتی ہے ۔ خود رات کی تاریکی اور اس کا سکون اس پر گواہ ہیں ۔

مَاوَدَّعَكَ (تجھے نہیں چھوڑا) حضور رسول اکرم ﷺ پر ایک مرتبہ کچھ عرصہ وحی نازل نہ ہوئی ۔ ایک بار ایسا ہوا کہ حضور ﷺ بیمار ہوگئے اور دو تین مرتبہ تہجّد کی نماز ادا کرنے کے لیے نہ اٹھ سکے ، ان موقعوں پر بعض کافروں نے آپ ﷺ کو طعنے دیے اور ایک خبیث عورت تو یہاں تک بڑھی کہ اس نے کہا آپ ﷺ کے خدا نے آپ ﷺ کو چھوڑ دیا ہے ۔

ان بیہودہ باتوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا کلام اس حقیقت کا پتہ دیتا ہے کہ رات کی تاریکی کے اندر ایک سکون کا ہونا اور رات کے اندھیرے کے بعد دن کی روشنی کا آنا اس بات کی دلیل ہے کہ ہر تکلیف کسی نہ کسی راحت کا پیش خیمہ ہوتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو نہ تو چھوڑا ہے ، نہ آپ ﷺ سے بیزار ہے ، بلکہ چند دن وحی کا رک جانا آئندہ کے لیے کسی بڑے انعام کی آمد کا نشان ہے ۔

وَلَلْاٰخِرَةُ (اور بعد میں آنے والی) ۔ اس فانی زندگی کے بعد ہمیشہ رہنے والے جہان کو "آخرۃ" کہا جاتا ہے ۔ چوتھی

آیت میں فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی بعد کی زندگی جس میں آخرت بھی شامل ہے ، اس حالت سے ہزار درجے بہتر ہو گی ۔ آخرت میں آپ ﷺ حوض کوثر کے مالک ہوں گے، شفاعت کا منصب آپ ﷺ کو ملے گا ، آپ ﷺ سب کے امام ہوں گے ، ہر قسم کی نعمتوں سے مالا مال ہوں گے اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ کی مبارک زندگی کا آخری دور پہلے زمانے سے ہزار درجے بہتر ہوگا ۔ چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ مصائب کے ابتدائی دور کے کچھ عرصے بعد ہی آپ ﷺ پر بہت اچھا زمانہ آیا اور اللہ کے تمام وعدے پورے ہوئے ۔

ضَالًّا ۔ اس لفظ کے معنی ناواقف اور بے خبر کے ہیں ۔ حیران و سرگرداں کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے ۔ مقصد یہ ہے کہ نبوت کے اعلان اور وحی کے آغاز سے قبل آپ ﷺ نبوت کے فرائض اور خداوند کریم کے حکموں سے واقف نہ تھے اور تلاش حق میں حیران و سرگرداں رہتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کامل و مکمل ہدایات سے نوازا اور کائنات کے رازوں سے باخبر کر دیا ۔

آیات کی ترتیب

پہلی دو آیات میں دو قسمیں بطور دلیل اور گواہ کے ہیں ۔ اس کے بعد تین آیتوں میں ارشاد ہے کہ حضور ﷺ کی زندگی کا آخری دور نہایت شاندار ہوگا ۔ پھر ۶ سے ۸ تک تین آیتوں

میں تین انعامات کا ذکر ہے یعنی یتیمی میں سرپرستی، بے خبری کے عالم میں ہدایت اور غربت میں دولت بخشی ۔

آخر میں ۹ سے ۱۱ تک تین باتوں کا حکم ہے : یتیم پر سختی نہ کرو ، سائل کو مت جھڑکو اور اللہ کریم کی نعمتوں کا چرچا کرتے رہو ۔

۲۔ اَلاِنشِرَاح

(نمبر شمار ۹۴ ۔ مکے میں نازل ہوئی ۔ کل آیات ۸ ہیں)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے ۔

اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ ۙ (۱) کیا ہم نے تیرے واسطے تیرا سینہ نہیں کھول دیا ؟

وَوَضَعۡنَا عَنۡكَ وِزۡرَكَ ۙ (۲) اور ہم نے تجھ پر سے تیرا بوجھ اتار دیا

الَّذِیۡۤ اَنۡقَضَ ظَهۡرَكَ ۙ (۳) جس نے تیری پیٹھ توڑ رکھی تھی ۔

وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ ؕ (۴) اور ہم نے تیرا ذکر بلند کیا

فَاِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا ۙ (۵) البتہ ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے

اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ؕ (٦) یقیناً ہر مشکل کے ساتھ (بعد) آسانی ہے۔

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۙ (٧) سو جب تو فارغ ہو تو محنت میں لگ جا۔

وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۧ (٨) اور اپنے رب کی طرف دل لگا۔

مشکل الفاظ اور تشریح :-

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا ؟)

"شرح صدر" کے دو معنی ہیں ۔ ایک یہ کہ حضور رسول خدا ﷺ کا سینۂ مبارک چاک ہوا اور تمام آلائشوں سے پاک کر کے اسے نور سے بھر دیا گیا ۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ حضور ﷺ کا سینہ انوار خداوندی سے یوں بھر گیا کہ آپ پر ہدایت کی راہ کھل گئی اور آپ کا سینہ اس طرح کھل گیا کہ اس پر کائنات کے تمام راز اور حق کے تمام دلائل واضح ہو گئے ۔

وِزْرَكَ (آپ ﷺ کا بوجھ) یہ بوجھ نبوت کی ذمہ داریوں اور رسالت کے فرائض کا بوجھ تھا، جس سے آپ کی کمر دوہری ہوتی جا رہی تھی ۔ گمراہ قوم کو راہ راست پر لانا اور اللہ کے باغیوں

کو اس کا بندہ بنانا کوئی آسان کام نہ تھا ، لیکن چند ہی برسوں میں آپ کا پیغام دور و نزدیک پھیل گیا ۔ اس طرح نبوت کا فرض ادا ہو گیا اور آپ کا بوجھ ہلکا ہو گیا ۔

رَفَعۡنَا (ہم نے بلند کیا) حضرت رسول مقبول ﷺ کا ذکر کیسے بلند ہوا ؟ یہ کوئی راز کی بات نہیں ۔ ہر مسجد کا مینار ، ہر نماز کا درود اور کلمۂ طیبہ کا دوسرا جملہ آپ کے ذکر پر گواہ ہے ۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ آج کلمہ، نماز، دعا، اذان، تکبیر اور وعظ و سیرت کی مجلسوں میں دن رات جس قدر آنحضرت ﷺ کا ذکر ہوتا ہے ، دنیا کے کسی بڑے سے بڑے شہنشاہ اور ہادی کا نہیں ہوتا ۔

مَعَ الۡعُسۡرِ یُسۡرًا (مشکل کے ساتھ آسانی ہے) ایک ہی سورت میں دوبارہ اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ ہر تکلیف راحت کا پیغام لاتی ہے اور ہر مصیبت مسرت کا نشان بن کر آتی ہے ۔ لہٰذا ہمیشہ اللہ کی رحمت کا امیدوار رہنا چاہیے ۔

اس سورت کی آخری دو آیتوں میں فرمایا کہ جب ایک فرض سے فارغ ہو جاؤ تو دوسری عبادت کی محنت میں لگ جاؤ۔ یوں پوری زندگی محنت اور مسلسل عمل میں لگا دو اور دل ہمیشہ خدا کی طرف لگائے رکھو ۔

٣ ـ اَلتِّيْن

(نمبر شمار ٩٥ ـ مکے میں نازل ہوئی ـ کل آیات ٨ ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے ـ

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۙ (١) قسم ہے انجیر اور زیتون کی

وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۙ (٢) اور طور سینا کی

وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۙ (٣) اور اس امن والے شہر کی

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ (٤) بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے

فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۡ بہترین صورت (انداز) پر

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ (٥) پھر ہم نے اسے ذلیل سے ذلیل

سٰفِلِيْنَ ۙ ترین حالت کی طرف لوٹا دیا

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (٦) سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور درست عمل کرتے رہے ـ

فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ؕ سو ان کے لیے ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔

فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ؕ (۷) پھر کیا چیز تجھ کو جزا (قیامت) کے بارے میں جھٹلا سکتی ہے؟

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ؏ (۸) کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ؟

مشکل الفاظ اور تشریح :-

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ (انجیر اور زیتون کی قسم) یہ ان درختوں کے نام ہیں جو حد درجہ مفید اور لذیذ ہوتے ہیں اور ارض مقدس فلسطین کے قریب شام کے بعض حصوں میں پائے جاتے ہیں ، اس کے علاوہ التین اور الزیتون شام میں دو پہاڑوں کے نام بھی ہیں ۔ ان پہاڑوں کے ساتھ حضرت مسیح علیہ السلام کی کئی یادیں وابستہ ہیں ، انجیل میں التین اور الزیتون کا متعدد بار ذکر آیا ہے مثلاً متی ، باب ۲۱ : ۱ و ۱۸ تا ۲۱ اور باب ۲۴ : ۳۔ عرب بھی ان پھلوں سے خود متعارف تھے۔ انہیں یہ پھل بہت مرغوب تھے ۔

وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ (سینا پہاڑ کی قسم) طور سینا ارض مقدس فلسطین کا وہ مشہور پہاڑ ہے جہاں موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا جلوہ دیکھا ، کلام حق سنا اور پیغام حق پایا ۔

اَلبَلَدِ الاَمِينِ (امن والا شہر) اس امن والے شہر سے مراد مکّہ مکرّمہ ہے جہاں حضرت خاتم الانبیاء ﷺ پیدا ہوئے۔ یہیں آپ ﷺ کی بعثت ہوئی اور یہی شہر اسلام کا مرکز بنا اور اس کے سپرد وہ امانت ہوئی جو قیامت تک زندہ و پائندہ رہے گی۔

اَحسَنِ تَقوِيمٍ (بہترین صورت۔ بہترین انداز) اس سورت مبارکہ میں تین، زیتون، طور سینا اور مکہ مکرمہ کی قسموں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''ہم نے انسان کو بہترین شکل و صورت میں پیدا کیا ہے''۔ گویا اس حقیقت کو سمجھانے کے لیے حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعلیمات کو بطور گواہ اور دلیل پیش کیا گیا ہے۔

اسلام کا یہ خاص امتیاز ہے کہ وہ انسان کو پیدائشی طور پر نیک تسلیم کرتا ہے۔ اسلام انسان کو پیدائشی گنہگار نہیں ٹھہراتا جیسا کہ عیسائیت کا عقیدہ ہے۔ البتہ گناہ اور بدکاری کے نتیجے میں انسان اپنے آپ کو ذلت اور رسوائی کے بدترین غار میں گرا لیتا ہے جسے **''اَسفَلَ سَافِلِينَ''** کہا گیا ہے

اِلّا۔ (مگر، سوائے) یہ حرف استثناء ہے۔ آیت کا مفہوم ہے کہ انسان گناہ کے بدترین گڑھے میں گر کر بھی اپنے آپ کو سنبھال سکتا ہے، بشرطیکہ وہ اپنے ایمان کو درست کر لے اور اعمال کو ٹھیک کر لے۔ اسلام نے گناہ کو ہمیشہ چمٹی رہنے والی چیز قرار نہیں دیا بلکہ ایمان اور عمل کے نتیجے میں گناہوں

سے معافی اور نجات کی بشارت دی ہے - ایسے ایمان دار اور نیک بندوں کے لیے کبھی نہ ختم ہونے والا اجر ہے لہذا جزا اور سزا کے جھٹلانے اور احکم الحاکمین کے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں - جنت کی نعمتیں اور آخرت کی زندگی دائمی ہوگی - نادان ہیں وہ جو اللہ تعالی کے حاکم اعالی ہونے کا انکار کرتے ہیں -

۴ - الْعَلَق

(نمبر شمار ۹۶ - مکے میں نازل ہوئی - کل آیات ۱۹ ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے -

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ	(۱) اپنے رب کے نام سے پڑھ
خَلَقَ ۝	جس نے پیدا کیا -
خَلَقَ الْاِنْسَانَ	(۲) اس نے انسان کو پیدا کیا
مِنْ عَلَقٍ ۝	جمے ہوئے خون سے -
اِقْرَاْ	(۳) پڑھ
وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝	اور تیرا رب سب سے زیادہ عزت والا ہے

الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ (۴) جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ؕ (۵) انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

کَلَّاۤ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤی ۙ (۶) نہیں۔انسان سرکشی اختیار کرتا ہے

اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰی ؕ (۷) اگر اپنے آپ کو مالدار دیکھتا ہے۔

اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الرُّجْعٰی ؕ (۸) یقیناً تیرے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے ۔

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی ۙ (۹) کیا تو نے اسے دیکھا جو منع کرتا ہے

عَبْدًا اِذَا صَلّٰی ؕ (۱۰) ایک بندے کو جب وہ نماز ادا کرتا ہے ؟

اَرَءَیْتَ اِنْ كَانَ عَلَی الْهُدٰۤی ۙ (۱۱) کیا تو نے غور کیا اگر وہ (بندہ) ہدایت پر ہو

اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی ؕ (۱۲) یا تقویٰ کا حکم دیتا ہو

اَرَءَیْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی ؕ (۱۳) کیا تو نے غور کیا اگر وہ جھٹلاتا ہے اور پیٹھ پھیرتا ہے

اَلَمْ یَعْلَمْ (۱۴) کیا وہ نہیں جانتا

بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی ؕ کہ اللّٰہ دیکھتا ہے۔

کَلَّا لَئِنْ لَّمْ یَنْتَہِ ۙ (۱۵) ہرگز نہیں۔اگر وہ باز نہ آئے گا۔

لَنَسْفَعًاۢ بِالنَّاصِیَۃِ ۙ تو ہم اسے پیشانی (کے بالوں) سے (پکڑ کر) گھسیٹیں گے۔

نَاصِیَۃٍ کَاذِبَۃٍ خَاطِئَۃٍ ۚ (۱۶) جھوٹی خطا کار پیشانی

فَلْیَدْعُ نَادِیَہٗ ۙ (۱۷) سو وہ اپنے اہل مجلس کو بلالے

سَنَدْعُ الزَّبَانِیَۃَ ۙ (۱۸) ہم بھی بلائیں گے سزا دینے والوں کو۔

کَلَّا ؕ لَاتُطِعْہُ (۱۹) ہرگز نہیں۔ اس کی بات نہ مان

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۚ اور سجدہ کر اور نزدیک ہو جا۔

مشکل الفاظ اور تشریح :-

اِقْرَاْ ۔ (پڑھ) حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی عمر مبارک کا چالیسواں سال ختم ہوچکا تھا۔ آپ ''غارِ حرا'' کے اندر عبادت میں مصروف تھے ، فرشتہٗ وحی حضرت جبرائیل ؑ امین آپ ﷺ کے سامنے آئے اور کہا ''پڑھیے'' آپ ﷺ نے جواب دیا ''میں

پڑھنا نہیں جانتا " تین بار یہی سوال و جواب ہوئے اور اللہ کے فرشتے نے آپ ﷺ کو زور سے بھینچا پھر اس سورت کی پہلی پانچ آیات "اِقْرَاْ بِاسْمِ" سے "مَالَمْ یَعْلَمْ" تک سنائیں، یہ اللہ کریم کی پہلی وحی تھی جو آپ پر نازل ہوئی -

ان آیات سے علم کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے اور یہ بھی کہ حضور ﷺ سے نبوت اور رسالت کا بہت بڑا کام لیا جانے والا ہے - آپ ﷺ اُمّی ہونے کے باوجود سارے جہان کو علم و حکمت سکھائیں گے اور قرآن پاک کی تعلیم سے مالا مال کردیں گے -

لَیَطْغٰی - (سرکشی اختیار کرتا ہے) چھٹی اور ساتویں آیت میں فرمایا کہ انسان کی کمزوری یہ ہے کہ جہاں اس نے دولت پائی اور ذرا اسے فارغ البالی نصیب ہوئی اس نے فوراً سرکشی اختیار کر لی اور خدا کا باغی ہو بیٹھا حالانکہ آخرکار اسے اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور اپنے ایمان وعمل کا جواب دینا ہے -

اَلَّذِی یَنْھٰی (جو منع کرتا ہے) یہاں اسلام کے دشمنوں خصوصاً ابوجہل کی طرف اشارہ ہے جو حضور اکرم ﷺ کو خانۂ کعبہ میں نماز پڑھنے سے روکتے تھے اور طرح طرح سے آپ ﷺ کو ستاتے تھے- گیارھویں سے تیرھویں آیت تک فرمایا ، کیا اچھا ہوتا کہ ظالم ہدایت پر ہوتا اور ہمارے

بندے کو نماز سے روکنے کی بجائے دوسروں کو نیکی اور پرہیزگاری کا حکم دیا کرتا ، لیکن اس کے بالکل بر عکس وہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلاتا ہے اور اللہ کریم کے حکموں سے منہ پھیرتا ہے ۔

اَلَمْ یَعْلَمْ (کیا وہ نہیں جانتا) اس چودھویں آیت سے اٹھارھویں آیت تک کا مضمون یہ ہے کہ اللہ کے منکروں کو اس بات کا اندازہ نہیں کہ اللہ پاک ان کے اعمال سے باخبر ہے ، اور اگر وہ باز نہ آئے تو ہم ان خطاکاروں کو پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر جہنم کی آگ کی طرف گھسیٹیں گے ۔ ان کے ساتھی انھیں ہمارے زور آور فرشتوں سے چھڑا نہ سکیں گے ۔ یہ کس قدر پریشانی اور مصیبت کا وقت ہوگا ۔

آخری آیت میں تین ہدایات دی گئی ہیں (۱) اللہ کے نافرمانوں کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے اور ان کی بات نہ ماننی چاہیے (۲) اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ کرنا چاہیے کہ یہ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کا نشان ہے (۳) اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہیئے اور اس کا قرب سب سے زیادہ سجدے میں حاصل ہوتا ہے ، حضور ﷺ نے فرمایا بندہ سب حالتوں سے زیادہ سجدے میں اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے ۔

نوٹ :۔ سورۂ علق کی آخری آیت سجدے کی آیت کہلاتی ہے ۔ یہاں پہنچ کر سجدہ کرنا چاہیے ۔ اس کے پڑھنے اور سننے والے دونوں پر سجدۂ تلاوت لازم ہو جاتا ہے اگر اس وقت سجدہ کرنے کے لیے مناسب جگہ یا وقت نہ ہو تو بعد کو پہلی فرصت میں سجدہ ادا کر لینا چاہیے ۔

٥ - اَلْقَدْر

(نمبر شمار ۹۷ - مکے میں نازل ہوئی - کل آیات ۵ ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَيْلَةِ	(۱) یقیناً ہم نے اسے عزت والی
الْقَدْرِ ۚ وَمَآ اَدْرٰكَ	رات میں آتارا - (۲) اور تجھے
مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ؕ	کیا خبر کہ عزت والی رات کیا ہے؟
لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ۵ خَيْرٌ	(۳) عزت والی رات بہتر ہے ہزار
مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ؕ	مہینوں سے -
تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ	(۴) اس میں فرشتے اور روح القدس
وَالرُّوْحُ فِيْهَا	آترتے ہیں
بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ	اپنے رب کے حکم سے ہر

كُلِّ أَمْرٍ ۙ۝ کام کے لیے

سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى (۵) سلامتی ہے - وہ رات صبح کے

مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝ نکلنے تک ہے -

مشکل الفاظ اور تشریح :-

لَیْلَةُ الْقَدْرِ ''لیل'' اور لَیْلَة کے معنیٰ ہیں رات اور ''قدر'' کے معنی ہیں حکم ، فیصلہ ، عزت و احترام اور خیر و برکت ، پس لیلة القدر کے معنی ہوئے عزت و احترام اور خیر و برکت والی رات -

''لیلة القدر'' میں قرآن مجید نازل ہوا - احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رات ماہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں ہوتی ہے - اس رات زیادہ خصوصیت سے عبادت اور رات بھر کلام اللہ کی تلاوت کی جاتی ہے - اس رات میں عبادت کا ثواب عام راتوں سے کئی گنا زیادہ ہوتا ہے -

خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ (ہزار مہینوں سے بہتر) اگر یہ جملہ بطور محاورہ استعمال ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں ''بہت زیادہ'' جیسے ہم اردو میں کہتے ہیں ''تم ہزار سال زندہ رہو'' یعنی لمبی عمر پاؤ، مراد یہ ہے کہ اس رات کی عبادت ہزاروں مہینوں کی عبادت سے زیادہ ثواب رکھتی ہے -

مَلٰٓئِكَةُ (فرشتے) اس لفظ کا واحد مَلَک ہے (میم اور

لام دونوں پر زبر) فرشتے اللہ تعالیٰ کی نورانی مخلوق ہیں، وہ مختلف کاموں پر مقرر ہیں، سرکشی اور گناہ سے پاک ہیں ۔ دن رات اس کی تسبیح ، حمد و ثنا اور اپنے مقررہ کاموں میں لگے ہوئے ہیں ۔

اَلرُّوْحُ ۔ لفظ روح اپنے عام معنوں کے علاوہ اور بھی کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے مثلاً جبرائیل امین جو وحی پہنچانے پر یا وہ فرشتے جو انسان کی حفاظت کرنے پر مقرر ہیں ، اسی طرح اللہ کریم کی رحمت اور وحی بھی ''اَلرُّوْحُ'' ہے ۔

سَلَام ۔ (سلام) لیلۃالقدر میں ہر خوف کی بات سے سلامتی اور ہر طرح سے امن ہی امن رہتا ہے ، رات بھر فرشتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے، صبح تک اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اترتی ہیں ، مبارک ہیں وہ بندے جو ان رحمتوں سے فائدہ اٹھائیں اور ایسی مبارک رات کو غفلت میں نہ گنوائیں ۔

۶ ۔ اَلْبَيِّنَة

(نمبر شمار ۹۸ ۔ مدینے میں نازل ہوئی ۔ آیات کل ۸ ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے ۔

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (۱) نہ تھے کافر

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اہل کتاب اور مشرک

وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ باز آنے والے

حَتّٰی تَاْتِیَھُمُ الْبَیِّنَةُ ۙ یہاں تک کہ ان کے پاس کُھلی

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ یَتْلُوْا دلیل آجائے ۔ (۲) اللّٰہ کا ایک

صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ رسول پاک صحیفے پڑھتا ہوا

فِیْهَا كُتُبٌ قَیِّمَةٌ ؕ (۳) جن میں پائدار نوشتے ہیں

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِیْنَ (۴) اوران لوگوں نے اختلاف نہ کیا

اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ جنھیں کتاب دی گئی تھی

بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنَةُ ؕ مگر بعد اس کے کہ ان کے پاس کھلی دلیل آ گئی ۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا (۵) اور انھیں اس کے سوا اور کوئی حکم نہ دیا گیا تھا

لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ کہ وہ اللّٰہ کی عبادت کریں

مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۙ اس کے لیے دین کو خالص کرتے

حُنَفَآءَ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ ہوئے صرف اسی کے ہو کر اور نماز

وَیُؤْتُوا الزَّكٰوةَ قائم رکھیں اور زکوۃ ادا کریں

وَذٰلِكَ دِیْنُ الْقَیِّمَةِ ؕ اور یہی دین ہے درست جاننے والوں کا ۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ	(٦) جن لوگوں نے کفر کیا
أَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِينَ	اہل کتاب میں سے ہوں یا
فِي نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِينَ فِيهَا ط	مشرکوں میں سے وہ جہنم
	کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے ۔
أُولٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝	یہ لوگ بدترین مخلوق ہیں ۔
إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا	(۷) یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور
الصّٰلِحٰتِ أُولٰئِكَ هُمْ	جنھوں نے نیک عمل کیے
خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝	وہ بہترین مخلوق ہیں ۔
جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ	(۸) ان کا بدلہ ان کے رب کے
جَنّٰتُ عَدْنٍ	ہاں ہمیشہ رہنے والے باغ ہیں
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ	جن کے نیچے سے نہریں بہتی
خٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ط	ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ۔
رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ	اللہ ان سے راضی ہوا
وَرَضُوا عَنْهُ ط	اور وہ اس سے راضی ہوئے ۔
ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ع	یہ اس کے لیے ہے جو اپنے
	رب سے ڈرتا رہے ۔

مشکل الفاظ اور تشریح :-

اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا - جن لوگوں نے کفر کیا - کافر : جو لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت پر ایمان نہ لائیں کافر کہلاتے ہیں -

مُشْرِکِیْن - "مشرک" کی جمع ہے یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو ماننے کے باوجود کسی دوسرے کو اس کا شریک ٹھہرائیں- اس کی ذات ، صفات یا قدرتوں اور طاقتوں میں کسی اور کو ساجھی یا شریک سمجھیں -

اَھْلُ الْکِتٰب - وہ قومیں جو آنحضرت ﷺ پر ایمان نہیں لائیں لیکن آپ ﷺ سے پہلے کسی نبی اور آخری کتاب سے پہلی کسی آسمانی کتاب پر ان کا ایمان ہے- مثلاً یہودی اور عیسائی-

اَلْبَیِّنَۃ - (کھلی اور واضح دلیل) اول تو اللہ کا کلام دلیل بن کر آیا اور اس میں واضح دلیلیں سمجھانے کے لیے موجود ہیں - اس کے علاوہ نبی کی ذات خود حق و صداقت کی بیّن دلیل ہے اور پھر نبی کے معجزے اللہ تعالیٰ کے خاص نشان ہوتے ہیں -

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ان تمام باتوں کے باوجود مشرکوں کے علاوہ اہل کتاب نے بھی حق کو قبول نہ

کیا اور اسلام کے مخالف ہو گئے ۔ حالانکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کوئی نئی تعلیم نہیں ۔ بلکہ پہلے سچے مذاہب کی طرح اسلام میں بھی دین کے اصول وہی ہیں ۔

یَعْبُدُوا اللّٰہَ ۔ (اللہ کی عبادت کریں) اطاعت اور فرمانبرداری صرف اللہ کی کریں اور اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں ۔ سب سے منہ موڑ کر اور سب کو چھوڑ کر صرف اس کے ہو جائیں "حنفاء" کا یہی مطلب ہے ۔

یُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ۔ (نماز قائم کریں) پابندی کے ساتھ نماز ادا کریں اور اس کی تمام شرطیں اور مقاصد پورے کریں ۔

یُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ ۔ (زکوٰۃ ادا کریں) تمام مذاہب کی بنیادی تعلیم کا تیسرا جزو اللہ کی راہ میں مال و دولت کو خرچ کرنا ہے ۔

شَرُّ الْبَرِیَّۃ ۔ (بدترین مخلوق) جو لوگ بھی دین کی صحیح تعلیم کو نہ مانیں گے وہ بدترین مخلوق کہلائیں گے خواہ وہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکوں میں سے ۔ ان کا ٹھکانا جہنم کی آگ میں ہوگا ۔

خَیْرُ الْبَرِیَّۃ ۔ (بہترین مخلوق) جو لوگ ایمان لے آئیں گے اور درست عمل کریں گے وہ بہترین مخلوق شمار ہوں گے ، اللہ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ سے راضی ہو جائیں گے ۔ زندگی

میں وہ خدا سے ڈرتے تھے ، مرنے کے بعد اس کے انعام سے مالا مال ہوں گے ۔

۷ ۔ اَلزِّلْزَال

(نمبر شمار ۹۹ ۔ مدینے میں نازل ہوئی ۔ کل آیات ۸ ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے ۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۙ (۱) جب ہلائی جائے گی زمین اپنے زلزلے سے

وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۙ (۲) اور زمین اپنے اندر کے بوجھ نکال کر باہر رکھ دے گی

وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا ۚ (۳) اور انسان کہے گا کہ اسے کیا ہو گیا ؟

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۙ (۴) اسدن وہ اپنی خبریں بیان کردیگی۔

بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۙ (۵) اس لیے کہ تیرے رب نے اسے حکم دیا ۔

يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ (۶) اس دن لوگ الگ الگ متفرق ہو کر نکلیں گے ۔

لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ۝ تاکہ انہیں ان کے عمل
دکھا دیے جائیں ۔

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ (۷) پس جس نے ذرہ بھر نیکی کی
خَيْرًا يَرَهُ ۝ ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا
وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ (۸) اور جس نے ذرہ بھر برائی کی
ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝ ہوگی وہ بھی اسے دیکھ لے گا ۔

مشکل الفاظ اور تشریح :-

زِلْزَال ۔ (بھونچال ، زلزلہ) قیامت کی ابتداء ایسے خوفناک جھٹکوں اور زلزلوں سے ہوگی کہ زمین و آسمان ان سے زیر و زبر ہوجائیں گے ، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے ۔

اَثْقَال ۔ (ثقل کی جمع ہے ، ثقل کے معنے ہیں بوجھ) ۔ قیامت خیز زلزلوں سے زمین پھٹ جائے گی ، اس کے دفینے باہر آ جائیں گے ۔ تمام راز کھل جائیں گے ، انسان نے جو کچھ زمین کے اندر چھپایا تھا سب باہر آ جائے گا ۔

اَوْحٰى ۔ وحی کی ۔ (حکم دیا) جب قیامت کے دن اللہ کے حکم کے مطابق زمین سارے حالات کھول کر سامنے رکھے

دے گی انسان حیران رہ جائیں گے ۔ اس دن یہ سب اپنے اعمال اور ان کا بدلہ دیکھنے کے لیے اپنی قبروں سے اٹھیں گے ۔ نہ ذرہ برابر نیکی چھپی رہے گی اور نہ ذرہ برابر بدی ، بلکہ سب کچھ سامنے آ جائے گا ۔

۸ ۔ العٰدیٰت

(نمبر شمار ۱۰۰ ۔ مکے میں نازل ہوئی ۔ کل آیات ۱۱ ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے ۔

وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ۙ (۱) قسم ہے ہانپ کر دوڑنے والے گھوڑوں کی ۔

فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ۙ (۲) پھر سم مار کر چنگاریاں نکالنے والوں کی ۔

فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ۙ (۳) پھر صبح کے وقت حملہ کرنے والوں کی ۔

فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ (۴) پس اٹھاتے ہیں ساتھ اسکے غبار کو

فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ (۵) پھر وہ (دشمن کی) جماعت کے درمیان گھس جاتے ہیں ۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ	(٦) یقیناً انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے
وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ	(٧) اور وہ بے شک خود اس پر گواہ ہے۔
وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ؕ	(٨) اور بے شک وہ مال کی محبت میں بہت پکا ہے۔
اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ	(٩) کیا اسے معلوم نہیں جب کریدا جائے گا
مَا فِى الْقُبُوْرِ ۙ	جو کچھ قبروں میں ہے
وَحُصِّلَ مَا فِى الصُّدُوْرِ ۙ	(١٠) اور ظاہر کردیا جائے گا جو کچھ سینوں میں ہے۔
اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ع	(١١) یقیناً ان کا رب ان سے اس دن خوب باخبر ہوگا۔

مشکل الفاظ اور تشریح :-

قسم کے لیے اس سورت میں حرف واو استعمال کیا گیا ہے۔ مجاہد بن
کے گھوڑوں کی مختلف حالتوں کی قسموں سے یہ بات سمجھائی گئی ہے

کہ بے زبان اور کم عقل جانور تو اپنے مجازی آقا کا فرماں بردار ہے لیکن انسان اپنے حقیقی مالک کا شکر گزار نہیں ۔ حالانکہ گھوڑے کا آقا اسے صرف دانہ پانی اور گھاس مہیا کرتا ہے جب کہ اللہ کریم نے انسان کے لیے سب کچھ پیدا کیا اور دنیا جہان کی نعمتیں اس کے لیے بنائیں ۔

عٰدِیَات ۔ (دوڑنے والے گھوڑے) مجاہدوں اور غازیوں کے تیز رفتار گھوڑے ۔

ضَبْحاً ۔ (ہانپنے والے گھوڑے) اس قدر تیز دوڑنے والے کہ دوڑ دوڑ کر وہ ہانپ جائیں مگر رکنے کا نام نہ لیں ۔

مُورِیَات ۔ (آگ نکالنے والے) اس قدر تیز دوڑنے والے جن کے سموں کی رگڑ سے پتھروں کے اندر سے چنگاریاں نکلنے لگیں ۔

مُغِیْرَات ۔ (حملہ کرنے والے) ایسے وفادار گھوڑے جو اپنا آرام و راحت چھوڑ کر صبح سویرے دشمن پر حملہ کرنے کو تیار ہو جائیں ۔

نَقْعاً ۔ (گرد و غبار) اس قدر تیز دوڑنے والے کہ پیچھے صرف گرد و غبار چھوڑ جائیں ۔

جَمْعاً ۔ (جماعت) ایسے گھوڑے کہ دشمن کی جماعتوں کے اندر بے دریغ گھس جائیں ۔

کَنُود ۔ (نا شکرا) جو انسان قدر دان نہ ہو اسے ناشکرا کہتے ہیں اور جو شخص اللہ کی دی ہوئی چیزوں کی قدر پہچانے ، ان کا درست اور صحیح استعمال کرے اسے شکر گزار کہا جائے گا ۔

اَلحَمدُ لِلّٰہِ کہنا اسی شکر گذاری کا زبان سے اظہار کرنا ہے ۔

حُبّ الخَیر ۔ (دولت کی محبت) اللہ نے دولت کو برا نہیں کہا بلکہ اسے لفظ ''الخیر'' سے یاد کیا ہے ' البتہ اس کی محبت میں یوں گم ہو جانا برا ہے کہ انسان کو نہ خدا یاد رہے نہ خدا کی مخلوق اور وہ اپنی عاقبت کو بھی بھول جائے ۔

کاش انسان کو یہ بات معلوم ہو جائے اور ہر دم یاد رہے کہ وہ دن قریب ہے جب سب کچھ قبروں سے نکل آئے گا اور دلوں کے راز ظاہر ہو جائیں گے اور اللہ تعالٰی انسان کی ہر بات سے آج بھی باخبر ہے اور اس دن بھی باخبر ہوگا ۔

۹ ۔ اَلقَارِعَۃ

(نمبر شمار ۱۰۱ ۔ مکے میں نازل ہوئی ۔ کل آیات ۱۱ ہیں)

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے ۔

اَلقَارِعَۃُ لا (۱) کھڑکھڑانے والی

مَا الْقَارِعَةُ ﰈ	(۲) کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی ؟
وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ﰆ	(۳) اور تو کیا سمجھے کہ کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی ؟
يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ	(۴) جس دن لوگ ہوں گے
كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ﰅ	بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح
وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ	(۵) اور پہاڑ ہوں گے رنگین
كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ﰆ	دھنی ہوئی اون کی مانند
فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ﰅ	(۶) سو جس (کی نیکیوں) کا پلڑا بھاری ہوگا
فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﰆ	(۷) وہ پسندیدہ زندگی گزارے گا
وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ﰅ	(۸) اور جس (کی نیکیوں) کا پلڑا ہلکا ہوگا
فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ﰆ	(۹) اس کا ٹھکانا "ہاویہ" ہوگا۔
وَمَآ اَدْرٰىكَ مَاهِيَهْ ﰆ	(۱۰) اور تجھے کیا خبر کہ وہ کیا ہے ؟
نَارٌ حَامِيَةٌ ﰈ	(۱۱) (وہ) دہکتی ہوئی آگ ہے۔

مشکل الفاظ اور تشریح :-

اَلْقَارِعَۃُ ۔ (کھڑکھڑانے والی گھڑی) اس سے قیامت کی ہولناک گھڑی مراد ہے ۔ زلزلوں اور جھٹکوں کے باعث زمین سے کھڑکھڑاہٹ کی آواز نکلے گی ۔

انسان اس دن اڑتے ہوئے اور بکھرے ہوئے پریشان پروانوں کی مانند ہوں گے ، کسی کو اپنے سر پیر کا ہوش نہ ہوگا ، نفسی نفسی کا عالم ہوگا ۔

اَلْجِبَال ۔ (پہاڑ) اس دن پہاڑ یوں ریزہ ریزہ ہوکر اڑ رہے ہوں گے جیسے روئی دھنتے ہوئے اڑتی ہے اور اس کا ریشہ ریشہ جدا ہو جاتا ہے ۔

مَوَازِینُہٗ (اس کے پلڑے) سے مراد اچھے عمل اور نیکیوں کے پلڑے ہیں کہ ان پر ہی آخرت کی کامیابی اور ناکامی کا دار و مدار ہوگا ۔ نیکیوں کا پلڑا بھاری ہؤا تو من مانی اور عیش کی زندگی ہوگی اور اگر پلڑا ہلکا ہؤا تو ٹھکانا جہنم ہوگا ۔

ھَاوِیَۃ ۔ جہنم کی دہکتی ہوئی آگ اور آگ سے بھرے ہوئے گڑھے کو ہاویہ کہتے ہیں ۔ یہ بدکرداروں کا ٹھکانا ہوگا

۱۰ ۔ اَلتَّکَاثُر

(نمبر شمار ۱۰۲ - مکے میں نازل ہوئی ۔ کل آیات ۸ ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے ۔

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ (۱) تمھیں کثرت کی خواہش ۔ غفلت میں رکھا ۔

حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ؕ (۲) یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں ۔

كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ (۳)(تمہاری یہ حالت) ہرگز (ٹھیک) نہیں تم جلد جان لو گے

ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ؕ (۴) پھر (سن لو کہ تمہاری یہ حالت) ہرگز (ٹھیک) نہیں۔ تم جلد جان لو گے۔

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ؕ (۵) ہرگز نہیں - کاش تم یقین کر کے جان لیتے۔

لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۙ (۶) بے شک تمھیں دوزخ دیکھنا ہے

ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۙ — (۷) پھر اسے یقین کی آنکھوں سے دیکھنا ہے ۔

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۧ — (۸) پھر اس دن تم سے باز پرس کی جائیگی نعمتوں کے متعلق ۔

مشکل الفاظ اور تشریح :-

اَلتَّکَاثُر ۔ (دولت و عزت میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی خواہش) اللہ نے نہ مال و دولت کو برا کہا ہے نہ اس کے کمانے اور حاصل کرنے کو حرام بتایا ہے بلکہ جائز طریقوں سے کمانا اور اپنی کمائی سے اپنا اور اپنے اقربا کا پیٹ پالنا نیکیوں میں شامل ہے ۔

ناجائز یہ ہے کہ آدمی دولت جمع کرتا جائے اور اسے کار خیر میں خرچ نہ کرے ۔ حلال اور حرام کا فرق بھول جائے اور دولت کے خیال میں ہی پڑا رہے ۔ جیسا کہ اس سورت میں فرمایا کہ تمھیں مال و عزت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی خواہش نے غافل کر دیا ۔

زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۔ مقابر کا واحد مقبر ہے جس کے معنی ہیں قبروں کی جگہ اور پورے جملے کا مطلب یہ ہے کہ تم قبروں کے کناروں تک پہنچ جاتے ہو مگر تمھاری ادنٰی

خواہشیں ختم نہیں ہوتیں ، موت قریب آجاتی ہے اور پاؤں قبر میں ہوتے ہیں لیکن دنیا سمیٹنے سے دل نہیں بھرتا ۔

عِلْمُ الْیَقِیْن ۔ وہ یقین جو انسان کو دوسروں کی بتائی معلومات کے ذریعے حاصل ہوتا ہے ۔ یہ یقین کا پہلا درجہ ہے ۔

عَیْنُ الْیَقِیْن ۔ وہ یقین جو محض دوسروں کے بتانے سے نہیں بلکہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر براہ راست حاصل ہوتا ہے اور انسان اپنے ذاتی مشاہدے سے یقین حاصل کرتا ہے ۔ یہ یقین کا دوسرا درجہ ہے ۔ علم کا تیسرا درجہ ''حَقُّ الْیَقِیْن'' کا ہے ۔ یعنی ایسا یقین جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے ۔ سورت کی آخری آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ پھر تم سے نعمتوں کے متعلق ضرور پوچھا جائے گا ۔

۱۱ ۔ اَلْعَصْر

(نمبر شمار ۱۰۳ ۔ مکے میں نازل ہوئی ۔ کل آیات ۳ ہیں)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ٥

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے ۔

وَالْعَصْرِ لا (۱) قسم ہے زمانے کی

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ (۲) بے شک انسان خسارے میں ہے

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (۳) سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے

وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور انہوں نے بھلے کام کیے

وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرتے رہے۔

وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ؏ اور ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے رہے۔

مشکل الفاظ اور تشریح :-

وَالْعَصْرِ۔ ''واو'' قسم کے لیے ہے اور ''عصر'' کے معنی ہیں زمانہ۔ اس کے علاوہ سورج غروب ہونے سے تھوڑی دیر پہلے کے وقت کو بھی عصر کہتے ہیں اور اس وقت جو نماز پڑھی جاتی ہے اس کا نام بھی ''نماز عصر'' ہے۔

اللہ پاک نے اس قسم کے ذریعے چڑھتے سورج کے زوال اور زمانے کی گردش کی طرف توجہ دلائی ہے تاکہ یہ بات ذہن میں آ جائے کہ کمال پر پہنچنے والے زوال سے محفوظ نہیں ہوتے۔ انسان اشرف المخلوقات ضرور ہے لیکن اگر وہ ایمان اور عمل صالح چھوڑ دے تو اس کا زوال و نقصان سے بچنا ممکن

نہیں - زمانہ اور اس کی تاریخ اس حقیقت پر گواہ ہیں کہ انسان عام طور پر گھاٹے کی طرف جا رہا ہے بجز ایمان اور عمل صالح والوں کے -

خُسْر کے معنی ہیں خسارہ اور نقصان - یہ خسارہ جسمانی اعتبار سے بھی ہو سکتا ہے ، اخلاق کے لحاظ سے بھی اور روحانی اعتبار سے بھی - اس سے بچنے کے لیے مندرجہ ذیل چار اصولوں پر کاربند ہونا ضروری ہے :

(۱) اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا - (جو لوگ ایمان لائے) انھوں نے اپنے عقیدے درست کر لیے ، ایمان سے ان کے خیالات پاک ہوگئے اور نیتیں درست ہوگئیں - کیونکہ جب تک ارادہ ٹھیک نہیں ہوگا اور نیت درست نہیں ہوگی کوئی اچھا کام انجام نہیں پا سکے گا -

(۲) عَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ - (انھوں نے اچھے عمل کیے) ایمان کی درستی کے ساتھ اعمال کی درستی کی طرف بھی توجہ دینی ضروری ہے - اگر عمل اچھے نہ ہوئے تو اچھا عقیدہ بے کار رہ جائے گا -

(۳) تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ - "تَوَاصَوْا" کے معنی ہیں وہ ایک دوسرے کو باہم وصیت اور نصیحت کرتے ہیں - "اَلْحَقّ" سے دین اسلام اور ہر سچائی مراد ہے - گویا نقصان سے بچنے کے لیے عقیدہ درست کرنے اور بھلے کام اختیار کرنے کے علاوہ ایک دوسرے کو ان کی تبلیغ کرنا بھی ضروری ہے -

(۴) تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ - (وہ ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے ہیں) مشکلات پر قابو پانے اور تکلیفوں کے مقابلے میں ثابت قدم رہنے کو صبر کہتے ہیں - گھاٹے سے بچنے والوں لیے یہ چوتھا اصول ہے - جب ہم اچھے خیالات اور اچھے اعمال اختیار کریں گے اور دوسروں کو بھی اچھا بننے کے لیے کہیں گے تو کچھ مشکلات ضرور پیدا ہوں گی مگر ایسے موقع پر خود بھی صبر کرنا اور دوسروں کو بھی اس کی تاکید کرنا ضروری ہے -

۱۲ - اَلْہُمَزَۃ

(نمبر شمار ۱۰۴ - مکے میں نازل ہوئی - کل آیات ۹ ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے -

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ (۱) خرابی ہے ہر طعنہ مارنے والے عیب لگانے والے کی

نِ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا (۲) جس نے مال سمیٹا اور گن

وَّعَدَّدَهٗ ۙ گن کر رکھا

يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗ (۳) وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا

اَخْلَدَهٗ ۚ مال اسے ہمیشہ (زندہ) رکھیگا۔

كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۖ (۴) ہرگز نہیں وہ "حطمہ" میں ضرور ڈالا جائے گا۔

وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ ۚ (۵) اور تُو کیا سمجھے کہ "حطمہ" کیا ہے؟

نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ ۙ (۶) اللہ کی سلگائی ہوئی آگ ہے

الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ ۚ (۷) جو پہنچ جائے گی دلوں تک

إِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُؤْصَدَةٌ ۙ (۸) وہ ان پر بند کر دی جائے گی

فِي عَمَدٍ مُمَدَّدَةٍ ۚ (۹) لمبے لمبے ستونوں میں۔

مشکل الفاظ اور تشریح :-

وَيْلٌ ۔افسوس ۔ خرابی ۔ بربادی ۔ جہنم کی ایک وادی کو بھی کہتے ہیں۔

هُمَزَةٍ ۔ (عیب لگانے والا) کسی کی پیٹھ پیچھے اس کے عیب ڈھونڈنے والا ۔ یہ ایک بہت بری عادت ہے کہ انسان دوسروں کے اندر عیب نکالتا پھرے ۔ لوگوں کی خوبیوں کی بجائے برائیاں ڈھونڈے اور مفت میں اپنا نامۂ اعمال خراب کرے ۔

هُمَزَۃ - (طعنے مارنے والا) کسی کے منہ پر آسے برا بھلا کہنے اور شرافت کا ذرا بھی خیال نہ کرنے والا - جیسے بعض لوگ آنکھ، ناک سے اور اشارے کنائے سے دوسروں پر طنز کرنے کے عادی ہوتے ہیں اور اس طرح دوسروں کی دل آزاری کرتے ہیں -

جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَہٗ - (مال سمیٹا اور گن گن کر رکھا) مطلب ظاہر ہے کہ دولت جمع کی - مگر خزانے کا سانپ بن کر بیٹھا رہا - نہ اپنے کام لایا، نہ دوسروں کو اس سے فائدہ پہنچایا - ایسے بخیل اور کنجوس خود بھی دولت سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور ملک و ملت کو بھی اس کا حصہ نہیں دیتے -

اَلحُطَمَۃُ - (جہنم) اس کے لفظی معنی ہیں توڑنے پھوڑنے والی شے - گویا جہنم کی آگ چکی کی طرح ان لوگوں کو پیس کر رکھ دے گی - اس میں پڑ کر ان کی ہڈیاں پسلیاں ٹوٹ پھوٹ کر رہ جائیں گی -

۱۳۔ اَلْفِیل

(نمبر شمار ۱۰۵۔ مکے میں نازل ہوئی۔ کل آیات ۵ ہیں)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ ؕ	(۱) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟
اَلَمْ یَجْعَلْ کَیْدَهُمْ فِیْ تَضْلِیْلٍ ۙ	(۲) کیا ان کا داؤ غلط نہیں کر دیا؟
وَّ اَرْسَلَ عَلَیْهِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ ۙ	(۳) اور ان پر غول کے غول پرندے بھیجے۔
تَرْمِیْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ ۙ	(۴) وہ ان پر کنکر کی پتھریاں پھینکتے تھے۔
فَجَعَلَهُمْ کَعَصْفٍ مَّاْکُوْلٍ ۧ	(۵) سو انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی مانند کر دیا۔

مشکل الفاظ اور تشریح :-

اَصْحٰبِ الْفِیْلِ (ہاتھی والے) اشارہ ابرہہ کے لشکر کی طرف ہے جو یمن کا گورنر تھا اور ہاتھی لے کر مکہ مکرمہ پر چڑھ آیا تھا - یہ واقعہ حضور اکرم ﷺ کی پیدائش سے پچاس دن پہلے کا ہے - اس واقعے کی مناسبت سے اس سال کو عام الفیل کہتے ہیں -

ابرہہ اللہ کے گھر "خانۂ کعبہ" کو گرانے کے ارادے سے آیا تھا - اس کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا - اس میں ہاتھی بھی تھے - مکے والے ڈر گئے - خود خانۂ کعبہ کے رکھوالے قریش بھی اسے خالی چھوڑ کر پہاڑوں میں جا چھپے - اللہ تعالیٰ کی غیرت جوش میں آئی اور اس نے غیب سے ابرہہ اور اس کے لشکر کی تباہی کے سامان پیدا کر دیے -

کَیْدَھُمْ - (ان کی تدبیر یا چال) حملہ کرنے والوں کا مکر و فریب اور چال بازی خاک میں مل گئی - ان کی ساری تدبیریں دھری کی دھری رہ گئیں -

طَیْرًا اَبَابِیْلَ - (پرندوں کے جھنڈ) " طیر " طائر کی جمع ہے جس کے معنے پرندے کے ہیں - "ابابیل" ابالہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں پرندوں کی ٹکری - دوسرے کئی معنوں کے علاوہ عربی زبان میں پرندوں کے جھنڈ اور غول کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے -

یہاں ان بے شمار پرندوں کی طرف اشارہ ہے جو اپنی چونچ اور پنجوں میں کنکریاں لے کر نمودار ہوئے اور اس لشکر پر انھوں نے اس قدر پتھراؤ کیا کہ حملہ آور تباہ و برباد ہو گئے -

حِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ (سنگ ریزوں کی پتھریاں) ''حجارة'' کے معنی ہیں پتھر اور ''سجیل'' سنگ ریزوں کو کہتے ہیں - یعنی وہ نوکدار اور کھردرے کنکر جو عام طور پر دریاؤں کے کنارے ہوتے ہیں -

كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ (کھائے ہوئے بھوسے کی مانند) ابرہہ کا لشکر اس طرح تباہ و برباد ہو گیا جیسے بھوسہ ہو یا وہ اجڑا ہوا کھیت جسے جانور چر گئے ہوں اور محض اس کے ڈنٹھل رہ گئے ہوں - گویا ابرہہ کا لشکر یوں برباد ہوا کہ اس کا نام و نشان تک نہ رہا - اللہ کے گھر کو مٹانے والے خود ملیا میٹ ہو گئے -

۱۴ - قُرَیْش

(نمبر شمار ۱۰۶ - مکے میں نازل ہوئی - کل آیات ۴ ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے -

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۙ

(۱) اس واسطے کہ اللہ نے قریش کو مانوس کر دیا

اِلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ	(۲) انہیں سردی اورگرمی کے سفر
وَالصَّيْفِ ۚ	سے مالوس کر دیا
فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا	(۳) سوچاہیے کہ وہ اس گھر کے رب
الْبَيْتِ ۙ	کی بندگی کریں
الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ	(۴) جس نے انہیں بھوک میں
جُوْعٍ ۙ	کھانا دیا
وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۚ	اور ڈر میں امن دیا ۔

مشکل الفاظ اور تشریح :-

اِیْلٰف ۔ (مانوس کرنا) محبت ڈالنا ، یہاں اس آلفت کی طرف اشارہ ہے جو قریش کے دل میں سفر کے لیے موجود تھی ۔

قُرَیْش ۔ حضرت رسول اکرم ﷺ کا قبیلہ قریش کہلاتا تھا ۔ اس خاندان کے پہلے بزرگ کا نام فہر بن کنانہ اور لقب قریش تھا ۔ اس کے نام سے قبیلے کا نام پڑ گیا ۔ عرب میں اس قبیلے کی بہت عزت تھی ۔ یہ لوگ خانہ کعبہ کے متولی و مجاور تھے ۔ ہر کوئی ان کی عزت کرتا تھا اور انہیں سردار مانتا تھا ۔

رِحۡلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیۡفِ ۔ (سردی اور گرمی کا سفر) ۔
قریش کے معزز لوگ تجارت پیشہ تھے ۔ وہ سردی کے موسم میں یمن کی طرف اور گرمی کے موسم میں شام و ایران کی طرف تجارتی سفر کرتے تھے ۔ انھیں سب سے بڑا آرام یہ تھا کہ اس لوٹ مار کے زمانے میں کوئی بھی ان پر ہاتھ نہ ڈالتا تھا بلکہ بعض اوقات ڈاکو دوسروں کا لوٹا ہؤا مال بطور نذر و نیاز انھیں دے جاتے تھے ۔

فَلۡیَعۡبُدُوۡا ۔ (انھیں چاہیے کہ عبادت کریں) ۔ عبادت کے معنی بندگی کے ہیں جس میں ہر قسم کی اطاعت اور فرماں برداری شامل ہے ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ جب اس گھر کی بدولت انھیں سب کچھ مل رہا ہے ، بھوک میں کھانا اور خوف میں امن نصیب ہو رہا ہے ، تو ان کا بھی فرض ہے کہ اس گھر کے مالک کو نہ بھولیں اور اس کی بندگی و اطاعت کریں ۔

۱۵ ۔ اَلۡمَاعُوۡن

(نمبر شمار ۱۰۷ ۔ مکّے میں نازل ہوئی ۔ کل آیات ۷ ہیں)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

اَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ (۱) کیا تو نے اس شخص کو دیکھا

يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ؕ	جو جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے؟
فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۙ	(۲) سو وہی یتیم کو دھکے دیتا ہے ۔
وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۙ	(۳) اور محتاج کو کھانا کھلانے کے لیے (لوگوں کو) ترغیب نہیں دیتا ۔
فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۙ	(۴) سو اُن نمازیوں کے لیے خرابی ہے
الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۙ	(۵) جو اپنی نماز سے غافل ہیں
الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۙ	(۶) جو دکھاوا کرتے ہیں ۔
وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ؏	(۷) اور استعمال کی چیز مانگے نہیں دیتے ۔

مشکل الفاظ اور تشریح :-

يُكَذِّبُ ۔ (جھٹلاتا ہے) عربی زبان میں جھوٹ بولنے کو کذب کہتے ہیں اور اگر انسان جان بوجھ کر سچی بات کو نہ مانے اور اس کو جھٹلائے تو اسے تکذیب کہتے ہیں ۔

دین کے ایک معنی انصاف ، جزا و سزا اور بدلہ کے

اور دوسرے معنی مذہب کے ہیں - یعنی وہ صحیح اور سیدھا راستہ جو اللہ پاک نے انسان کے لیے مقرر کیا ہے -

سورت کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے سوال کیا ، کیا تم اس شخص کو جانتے ہو جو انصاف اور جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے ؟ اس کے بعد خود جواب دیا کہ انصاف اور دین کے جھٹلانے والا وہ ہے جو یتیموں کو دھتکارتا ہے حالانکہ وہ اس کی ہمدردی اور محبت کے مستحق ہیں اور وہ غریبوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا - اگر خود ان کا انتظام نہیں کر سکتا تو دوسروں کو بھی اس طرف توجہ نہیں دلاتا -

مُصَلِّیْنَ (نمازی) اس کا واحد ''مصلّی'' ہے یعنی نماز ادا کرنے والا - اس آیت میں ایسے نمازیوں کے لیے خرابی اور بربادی کا اعلان فرمایا ہے جو اس فرض کی ادائیگی تو کرتے ہیں لیکن نہ غفلت دور کرتے ہیں ، نہ دکھاوا چھوڑتے ہیں اور نہ ان کے اندر دوسروں کے لیے قربانی اور خدمت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے -

ساھُوْن (غافل) نماز نہ پڑھنا یا بے دلی سے نماز ادا کرنا غفلت ہے لیکن اس سے بڑی بے خبری کیا ہوگی کہ نمازی کو اپنی نماز ہی کا پتہ نہ ہو - وہ دعا میں جو کچھ مانگتا ہے اسے معلوم ہی نہ ہو کہ کیا مانگ رہا ہے اور نہ اسے یہ پتہ ہو کہ نماز اس سے کن اخلاق اور نیکیوں کا تقاضا کرتی ہے -

یُرَاءُوْنَ ۔ (وہ دکھاوا کرتے ہیں) ریا کاری بہت ہی بری عادت ہے ۔ جو کام بھی محض دکھاوے کے لیے کیا جائے اس میں برکت نہیں ہوتی ۔ خصوصاً ایک نمازی اگر اخلاص کے بغیر نماز پڑھے گا تو وہ کیسے قبول ہوگی اور اس سے اچھے نتیجے کیسے پیدا ہوں گے ؟

مَاعُوْن ۔ ایسی ادنیٰ اور بے حقیقت شے جس کی کچھ قیمت نہ ہو یا محض برائے نام ہو ''ماعون'' کہلاتی ہے ۔ مثلاً پانی ، نمک ، دیا سلائی ، برتنے کے لیے کلہاڑی ، چھلنی، پانی کا ڈول ، ہانڈی وغیرہ ۔ جو شخص کسی ضرورت مند کو ایسی معمولی سی چیز مستعار نہیں دیتا ، اس کے لیے خرابی اور بربادی نہ ہوگی تو کیا ہوگا ؟

۱۶ ۔ اَلْکَوْثَر

(نمبر شمار ۱۰۸ ۔ مکے میں نازل ہوئی ۔ کل آیات ۳ ہیں)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ۝ (۱) ہم نے تجھے کوثر دیا ہے

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ (۲) سو تو اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر ۔

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ (۳) یقیناً تیرا دشمن ہی "ابتر" ہوگا ۔

مشکل الفاظ اور تشریح :-

الکوثر (بہت زیادہ بھلائیاں) ۔ الکوثر میں بہت سی چیزیں شامل ہیں ۔ مثلاً "حوض کوثر"، جنت کی وہ نہر جس سے آپؐ قیامت کے دن پیاسی امت کو سیراب کریں گے ۔ امت کی کثرت جو اللہ پاک کے فضل سے دنیا بھر میں روز بروز زیادہ ہو رہی ہے ۔ قرآن پاک جو تمام بھلائیوں اور عمدہ تعلیمات کا مجموعہ ہے ۔ خانہ کعبہ ، اللہ کا یہ گھر ہدایت کا مرکز اور خیر و برکت کا خزانہ ہے ۔ یہ سب الکوثر کے مفہوم میں شامل ہیں ۔

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو "خیر کثیر" عطا کی اور اس طرح دونوں جہانوں کی بھلائیاں اور برکتیں آپؐ کو مل گئیں ۔

فَصَلِّ (سو تو نماز ادا کر) اللہ کے لیے نماز ادا کرنے کے بے شمار فائدے ہیں ۔ اس سے اپنی اخلاق ، جسمانی اور روحانی اصلاح ہوتی ہے ۔ جماعتی تنظیم پیدا ہوتی ہے ۔ پابندی، اطاعت اور نظم و نسق کی تربیت ہوتی ہے ۔ غرض نماز ایک ایسا

فریضہ ہے جس سے اپنی ذات کو بھی فائدہ پہنچتا ہے ، ملک و ملت کو بھی اور نوع انسانی کو بھی ۔

اِنْحَرْ ۔ (قربانی کر) نحر کے معنی اونٹ ذبح کرنے کے ہیں ۔ عام قربانی کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے ۔ گویا نماز کے ساتھ دوسرا حکم قربانی کا ہے اور اس میں ہر قسم کی قربانی آ جاتی ہے ۔

شَانِئَكَ ۔ (تیرا دشمن) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن آپکو طعنہ دیتے تھے کہ آپ کے بیٹا نہیں ، لہٰذا آپ کا نام و نشان آگے نہ چلے گا ۔ ان طعنہ دینے والوں میں عاص بن وائل پیش پیش رہتا ۔ ان کم عقلوں کو کیا پتہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک نبی کو اس قدر دیا ہے اور وہ کچھ دیا ہے جس سے ان کا نام اور ان کے دین کا نام ہمیشہ روشن رہے گا اور یہ دولت و ثروت والے اور بڑے بڑے خاندانوں والے دشمن ایسے مٹیں گے کہ ان کا کوئی نام لیوا باقی نہ رہے گا ۔ دنیا جانتی ہے کہ ایسا ہی ہوا اور قیامت تک ایسا ہی ہوتا رہے گا ۔

اَبْتَر ۔ دُم کٹے جانور اور لاولد شخص کو کہتے ہیں ۔ جس کے آگے اولاد نہ ہو اس کا نام و نشان نہ چلے اور اس کا ذکر اس کے ساتھ ہی ختم ہو جائے ۔

۱۷ - اَلْکٰفِرُوْن

(نمبر شمار ۱۰۹ - مکے میں نازل ہوئی - کل آیات ۶ ہیں)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے -

قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ لا (۱) آپ ﷺ کہہ دیں ، اے کافرو !

لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ لا (۲) میں بندگی نہیں کرتا جس کی تم بندگی کرتے ہو

وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ (۳) اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو

مَآ اَعْبُدُ ج جس کی میں عبادت کرتا ہوں

وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ لا (۴) اور نہ میں عبادت کرنے والا ہوں جس کی تم نے بندگی کی -

وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ (۵) نہ تم اس کی بندگی کرنے والے ہو

مَآ اَعْبُدُ ط جس کی میں عبادت کرتا ہوں

لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ ع (۶) تمھارے لیے تمھاری راہ اور میرے لیے میری راہ -

مشکل الفاظ اور تشریح :-

قُلْ - (تو کہہ) یا ادب سے (آپ کہیں) امر کا صیغہ ہے - قرآن مجید میں جہاں کہیں قل کا حکم آیا ہے گویا ان حصوں کو خاص طور پر سمجھانا مقصود ہوتا ہے - اللہ کے نبی نے اللہ کا پورا کلام اس کے بندوں تک پہنچایا - پھر بھی یہ خاص لفظ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس کے بعد جو کچھ کہا گیا ہے وہ خاص طور پر پہنچانے کے لیے ہے -

لَآ اَعْبُدُ - (میں بندگی نہیں کرتا) عبد ، عبادت ، عابد وغیرہ ایک ہی اصل سے نکلے ہیں - عبادت ، بندگی اور اطاعت و فرماں برداری کو کہتے ہیں -

کافر اللہ کے سوا دوسری انتہائی ادنلی اور حقیر چیزوں کی پوجا کرتے ہیں - لیکن مسلمان اللہ کے سوا کسی کی بندگی اور پوجا نہیں کرتا - اس ایک حقیقت کو اس سورت میں پانچ مرتبہ مختلف طریقوں سے سمجھایا گیا ہے -

لَکُمْ دِیْنُکُمْ - (تمہیں تمہاری راہ) دین کا لفظ اس سے پہلے سورۂ "**البینہ**" اور سورۂ "**الماعون**" میں آپ پڑھ چکے ہیں - اس کے معنی راستہ ، طور طریقہ اور مذہب کے ہیں - اپنی زبان میں بھی آپ یہ الفاظ انھیں معنوں میں استعمال کرتے ہیں - دین کے معنی 'بدلہ' بھی ہیں - یعنی تمہیں اپنے کاموں کا بدلہ ملیگا اور مجھے اپنے کاموں کا -

اس سورت کی آخری آیت میں صاف طور پر بیان کر دیا گیا ہے کہ مسلمان کی راہ اور ہے ، کافروں کی راہ اور ہے - دونوں کے کام بھی مختلف ہیں اور دین بھی مختلف ہے - اس سورت سے واضح ہوگیا ہے کہ دین اور دینی امور کے سلسلے میں کافروں سے کوئی سمجھوتا جائز نہیں -

۱۸ - اَلنَّصر

(نمبر شمار ۱۱۰ - مدینے میں نازل ہوئی - کل آیات ۳ ہیں)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے -

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ	(۱) جب اللہ کی مدد اور فتح
وَ الۡفَتۡحُ ۙ	آ پہنچے
وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ	(۲) اور تو لوگوں کو داخل ہوتے دیکھ لے
فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا ۙ	اللہ کے دین میں جوق در جوق

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ	(۳) تو تُو اپنے رب کی پاکیزگی بیان کر حمد کے ساتھ
وَاسْتَغْفِرْهُ ط	اور اس سے بخشش مانگ
اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ع	بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے ۔

مشکل الفاظ اور تشریح :-

اِذَاجَآءَ (جب آ جائے) یہ آخری سورت ہے جو حضرت رسول اکرم ﷺ پر (ذوالحجہ ۱۰ ہجری میں) نازل ہوئی ۔ اس وقت آپ ﷺ آخری حج (حجۃ الوداع) ادا کرنے کے لیے مکّہ مکرّمہ تشریف لے گئے تھے ۔

اللہ تعالیٰ کی کامل مدد اور اسلام کی مکمل فتح کے اعلان کی صورت میں گویا اس طرف اشارہ تھا کہ آپؐ اپنا کام ختم کر چکے ہیں ۔ اب اللہ تعالیٰ کی طرف واپسی کا وقت آ گیا ہے ۔

اَلْفَتْحُ ۔ اس سے مراد مکّہ مکرّمہ کی فتح ہے جو ۸ ہجری میں ہوئی تھی ۔ اس فتح سے پورے ملکِ عرب پر اسلام کا غلبہ ہو گیا تھا ۔ یہ کفر پر اسلام کی کامل فتح تھی ۔ اب

ہر طرف اسلام کا علم لہرا رہا تھا ۔

اَفْوَاجاً۔ (فوج در فوج) اس سے مراد ہے گروہ در گروہ۔ چنانچہ مکّہ کی فتح کے موقع پر کسی دباؤ اور سختی کے بغیر لا تعداد کفار و مشرکین نے اسلام قبول کیا ۔ دنیا کی یہ عظیم الشان فتح کسی خونریزی اور جنگ کے بغیر حاصل ہوئی تھی ۔ بے شمار لوگوں نے اس موقع پر دین اسلام قبول کیا ۔ اس قدر عظیم الشان فتح اور کامیابی کے شکرانے کے طور پر دو کام آپؐ کے سپرد ہوئے ۔

(۱) فَسَبِّحْ (پس پاکیزگی بیان کر) حمد و ثنا کے ساتھ پروردگار کی پاکیزگی بیان کرنا اور جس مولا کریم نے اس قدر بڑا انعام عطا فرمایا ، اس کے نام کو مشرق و مغرب میں پھیلا دینا ۔

(۲) اَسْتَغْفِرْہُ ۔ (اس سے بخشش مانگ) دوسرا کام یہ ہے کہ لغزشوں اور کوتاہیوں کے لیے اس کی جناب سے مغفرت اور بخشش کی التجا کی جائے ۔ نبی گناہوں سے پاک اور خطاؤں سے معصوم ہوتے ہیں ، ان کی تمام تر التجائیں اور دعائیں اُمت کی خاطر ہوتی ہیں ۔

تَوّاب ۔ (توبہ قبول کرنے والا) توبہ عربی زبان میں

لوٹ آنے کو کہتے ہیں ۔ یعنی بندہ اپنی غلطی محسوس کر کے اس پر نادم ہو اور آئندہ کے لیے اسے چھوڑ دینے کا اقرار کر لے اور نیکی کی طرف لوٹ آئے ۔ جب بندے کے لیے توّاب کا لفظ آئے تو اس کا مطلب ہوتا ہے خوب توبہ کرنے والا اور اللہ تعالٰی کے لیے یہ لفظ ہو تو اس کا مطلب ہوتا ہے بندوں کی توبہ کو خوب قبول کرنے والا ۔

جب ایک بندہ سچے دل سے گناہ کا احساس اور اعتراف کر لیتا ہے اور آئندہ کے لیے اصلاح کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس کی خطائیں معاف ہو جاتی ہیں اور اللہ تعالٰی کی رحمت پھر اس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے ۔

۱۹ ۔ اَللّھب

(نمبر شمار ۱۱۱ ۔ مکے میں نازل ہوئی ۔ کل آیات ۵ ہیں)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے ۔

تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَھَبٍ وَّ (۱) ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹے

تَبَّ ۝	اور وہ ہلاک ہوگیا ۔
مَآ اَغْنٰی عَنْهُ	(۲) اس کے کام نہ آیا
مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝	اس کا مال اور جو اس نے کمایا ۔
سَيَصْلٰی نَارًا ذَاتَ	(۳) عنقریب شعلہ مارتی ہوئی آگ
لَهَبٍ ۝	میں پڑے گا ۔
وَّامْرَاَتُهٗ ط حَمَّالَةَ	(۴) اور اس کی بیوی بھی جو سر
الْحَطَبِ ۝	پر ایندھن اٹھائے پھرتی ہے ۔
فِیْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ	(۵) اس کی گردن میں کھجور کی
مَّسَدٍ ۝	چھال کی رسی ہوگی ۔

مشکل الفاظ اور تشریح :-

اَبِیْ لَهَبٍ ۔ اس کا نام عبدالعُزّٰی تھا ۔ چونکہ اس کا چہرہ آگ کے انگاروں کی طرح سرخ تھا اس لیے کنیت ابولہب ہوگئی ۔

ابولہب حضور ﷺ کی مخالفت اور اسلام دشمنی میں سب سے پیش پیش تھا ۔ وہ ہر دم آپؐ کے پیچھے لگا رہتا ۔ ہر جگہ

مخالفت کرتا اور ستاتا ۔ رشتے کے لحاظ سے حضور ﷺ کا حقیقی چچا تھا ۔ اس قدر قریبی رشتہ ہونے کے باوجود اس نے شرافت کا ثبوت نہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتی گئی ۔ وہ طاعون کے مرض میں بڑی ذلت اور رسوائی کے ساتھ مرا ۔ آخرت کا عذاب الگ رہا نہ اس کا مال اس کے کام آیا نہ اس کی کمائی نے اس کا ساتھ دیا ۔

اِمۡرَاَتُہٗ ۔ (اس کی بیوی) اس کا نام اُمّ جمیل تھا ۔ وہ حرب کی بیٹی تھی ۔ چچی ہو کر بھی وہ اپنے خاوند کی طرح حضورؐ کی مخالفت میں بہت تیز تھی ۔

حَمَّالَةَ الۡحَطَبِ ۔ اس کے لفظی معنی ہیں ایندھن سر پر اٹھانے والی ۔ وہ جنگل سے خار دار جھاڑیاں لاتی اور حضورؐ کے راستے میں بچھا دیتی تھی ۔ محاورے کے اعتبار سے اس فقرے کے معنی ہیں ''چغلخور'' یعنی ادھر کی باتیں آدھر لگانے والی ۔ واقعی لگانے بجھانے والا مرد ہو یا عورت اپنے اس برے رویے سے دو آدمیوں کے درمیان آگ لگا دیتا ہے اسی لیے چغلخور کو ''لگائی بجھائی کرنے والا'' کہتے ہیں ۔

حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ ۔ (کھجور کے ریشے کی رسی) ابولہب کی بیوی ایک سردار کی بیوی اور دوسرے سردار کی بیٹی ہونے کے

باوجود جنگل سے ایندھن اور کانٹے چن کر لاتی تاکہ بھتیجے کے راستے میں بچھائے۔ آخر یہی رسی اس کے گلے کا پھندا ثابت ہوئی۔ جس سے وہ ہلاک ہو گئی۔

۲۰ ۔ اَلاِخلاص

(نمبر شمار ۱۱۲ ۔ مکے میں نازل ہوئی ۔ کل آیات ۴ ہیں)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ	(۱) آپ کہیں وہ اللہ ایک ہے
اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ	(۲) اللہ بے نیاز ہے
لَمۡ یَلِدۡ ۙ وَلَمۡ یُوۡلَدۡ ۙ	(۳) نہ اس نے کسی کو جنا، نہ وہ جنا گیا
وَلَمۡ یَکُنۡ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۚ	(۴) اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ۔

مشکل الفاظ اور تشریح :-

قُلْ (تو کہہ یا آپ کہیں) یہ حکم رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے اور ان کے واسطے سے امت کے ہر فرد کے لیے بھی یہی ارشاد ہے کہ وہ دنیا کے کونے کونے میں یہ پیغام پہنچا دیں۔

خاص طور پر تبلیغ کا یہ حکم ان سورتوں اور آیتوں کے شروع میں آتا ہے جہاں کوئی خاص اور اہم بات ہوتی ہے جیسے اس سورت میں اللہ کریم کی توحید کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ وحدانیت دین کی بنیاد ہے۔ اللہ کو واحد اور لاشریک مانے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا۔ اس سورت کو سورت توحید بھی کہتے ہیں۔ اسے قرآن پاک کا ثُلث (تہائی حصہ) کہا گیا ہے۔

اَحَد (یکتا) واحد اور یکتا ہونا اللہ تعالیٰ کے لیے ہی مخصوص ہے۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے، اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ "احد" کا لفظ اس کے لیے مخصوص ہے اور اسی کو زیب دیتا ہے۔ "واحد" کے معنی ہیں ایک عدد اور احد کے معنی ہیں یکتا۔

صَمَد۔ (بے نیاز) وہ ذات پاک جس کے سب محتاج ہیں

ور اسے نہ کسی کی احتیاج ہے نہ کسی سے کوئی ضرورت ہے۔
سے کسی کی حاجت اور پروا نہیں۔

وہ قومیں گمراہ ہوئیں جنھوں نے اسے چھوڑ کر دوسروں کو اپنا معبود بنایا اور دعائیں اور ضرورتیں اس کی بجائے دوسرے کے سامنے پیش کیں۔

لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ (نہ اس کی کوئی اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے) ہم سب اس کی مخلوق اور اس کے بندے ہیں۔ وہ ہم سب کا خالق و مالک ہے۔ نہ وہ کسی کا باپ ہے نہ کوئی اس کی اولاد ہے اور نہ "نعوذ باللہ" خدا کسی کی اولاد ہوسکتا ہے۔ جن قوموں نے ایسے غلط عقیدے گھڑ لیے وہ گمراہ ہیں۔ اگر خدا بھی اپنے وجود کے لیے ماں باپ کا محتاج ہو تو پھر اس ماں باپ کے لیے بھی ماں باپ کی ضرورت ہوگی۔ یہ لامتناہی سلسلہ کہاں تک جائے گا؟ اگر وہ بیوی اور اولاد والا ہو تو اس میں اور انسانوں میں فرق ہی کیا رہ جائے گا؟

کُفو۔ (برابری کرنے والا) اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی ہمسر اور برابری کرنے والا ہے نہ کوئی شریک اور ساجھی ہے۔ سورت کی آخری آیت کا یہی مطلب ہے۔ مختصر یہ کہ اللہ

پاک اپنی ذات کے اعتبار سے بھی ، اپنی صفات کے اعتبار سے بھی، اپنی قدرتوں اور طاقتوں کے لحاظ سے بھی اور اپنے احکام کے لحاظ سے بھی ہر طرح وحدہٗ لاشریک ہے ۔

۲۱ ۔ اَلْفَلَق

(نمبر شمار ۱۱۳ ۔ مدینے میں نازل ہوئی ۔ کل آیات ۵ ہیں)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے ۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ لا (۱) آپ کہیں میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ لا (۲) ہر اس چیز کی بدی سے جو اس نے بنائی ۔

وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ لا (۳) اور اندھیرے کی برائی سے جب وہ سمٹ آئے

وَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ (۴) اور ان عورتوں کی برائی سے

اَلْعُقَدِ ۙ — جو گرہوں میں پھونکیں ماریں۔

مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا — (۵) اور حاسد کے شر سے جب

حَسَدَ ۧ — وہ حسد کرے ۔

مشکل الفاظ اور تشریح :-

اَعُوْذُ ۔ (میں پناہ میں آتا ہوں) انسان طرح طرح کی مشکلات میں گھرا رہتا ہے ۔ ہر وقت اس کے سامنے نئے نئے مسئلے آتے ہیں ۔ ہر گھڑی اُسے خطرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔ ان کے لیے بہترین طریقہ یہی ہے کہ اللہ کی پناہ مانگے اور اس طرح پناہ میں آ کر اپنے آپ کو محفوظ کر لے ۔

رَبِّ الْفَلَقِ ۔ (صبح کا رب) فلق کے لفظی معنی چیرنا اور پھاڑنا ہے ۔ چونکہ صبح کی روشنی بھی رات کی تاریکی کا پردہ چاک کر کے نمودار ہوتی ہے اس لیے صبح کو ''فلق'' کہا جاتا ہے ۔ رب کے معنی مالک و پروردگار کے ہیں ۔ یعنی وہ ذات پاک جس نے ہم سب کو اور ساری کائنات کو پیدا کیا ۔ ہماری زندگی اور ترقی کے سامان پیدا کیے اور ہمیں کمال کے درجے تک پہنچانے کے وسیلے بھی بنائے۔ وہ رات کے اندھیرے سے صبح کی روشنی پیدا کرتا ہے ۔

مِنْ شَرِّ مَاخَلَقَ - (ہر چیز کی بدی سے جو اس نے بنائی
ہر شے کا خالق اللہ ہے - سب چیزیں اس نے بنائی ہیں - ا
مخلوق میں اچھائیاں بھی ہیں اور برائیاں بھی - ہماری دعا یہ
کہ اے "اللہ" جو چیزیں تو نے بنائی ہیں ان سب کے بر
پہلوؤں سے ہمیں بچا - کسی کی برائی ہم پر اثر نہ کرے -

وَقَبَ (سمٹ آئے اور چھا جائے) سورج کے ڈوب جا
اور رات کی سیاہی کے چھا جانے کو وقب کہتے ہیں
عام طور پر سیاہی کے پردے میں بہت خرابیاں ہوتی ہیں
چوری چکاری، لوٹ مار، ڈاکے، گناہ اور بدیاں بھی رات کے اند
پھیلتی ہیں - بیماری کا زور بھی رات کے وقت بڑھ جاتا ہے
یوں بھی اگر جہالت اور تعصب کا اندھیرا ہو تو وہ کچھ کم
نقصان دہ نہیں ہوتا -

نَفّٰثٰتِ (پھونکیں مارنے والی عورتیں) عرب میں یہودی
عورتیں عام طور پر جادو کیا کرتی تھیں - وہ دھاگوں کے
گنڈے بناتیں ، ان کی گرہوں میں پھونکیں مار کر جادو کرتیں
اور اس طرح بہت سی خرابیاں کھڑی کر دیتی تھیں - اس
قسم کے جادو اور جادوگروں سے بچنے کی بہت ضرورت ہے
اللہ تعالیٰ ایسے برے کاموں کو پسند نہیں کرتا -

خاسد (حسد کرنے والا) "حسد" اسے کہتے ہیں کہ انسان کسی کو پھلتا پھولتا دیکھ کر جلے۔ دوسروں کی ترقی اور نعمتوں پر کُڑھے اور یہ چاہے کہ یہ خوبیاں اس سے چھن جائیں ۔ اس لیے حسد کو اردو میں "جلنا" کہتے ہیں ۔ "حاسد" اپنی آگ میں خود بھی جلتا ہے اور دوسروں کو بھی نقصان پہنچاتا ہے ۔ اس سے یہ دیکھا نہیں جاتا کہ کسی پر اللہ کی رحمت ہو اور کوئی ترقی کرے ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سب برائیوں سے بچائے ۔

۲۲ ۔ النّاس

(نمبر شمار ۱۱۴ ۔ مدینے میں نازل ہوئی ۔ کل آیات ۶ ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے ۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ	(۱) آپ کہیں ، میں پناہ میں آتا ہوں لوگوں کے رب کی ۔
مَلِكِ النَّاسِ ۙ	(۲) لوگوں کے بادشاہ کی ۔
اِلٰهِ النَّاسِ ۙ	(۳) لوگوں کے معبود کی ۔

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ (۴) اس کی بدی سے جو وسوسہ

الْخَنَّاسِ ۙ ڈالتا اور چھپ جاتا ہے۔

الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ (۵) جو لوگوں کے دلوں میں

النَّاسِ ۙ وسوسہ ڈالتا ہے

مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ۧ (٦) جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔

مشکل الفاظ اور تشریح :-

رَبِّ النَّاسِ (لوگوں کا رب) ۔ اللہ کریم ساری نوع انسانی کا پالنے والا ہے ۔ وہی سب کی پرورش کرنے والا اور ترقی کے راستے کھولنے والا ہے ۔ بلند درجے وہی عطا کرتا ہے اور کمال کی آخری منزلوں تک بھی وہی پہنچاتا ہے ۔ ہمارے لیے اس کی پناہ سے بڑی پناہ کس کی ہوگی اور اس کے سہارے سے بہتر کس کا سہارا ہوگا ؟

مَلِكِ النَّاسِ (لوگوں کا بادشاہ) ہم سب اس کی ملکیت ہیں ۔ ہماری ہر شے اسی کی ہے ۔ وہی ہمارا بادشاہ ہے ۔ ہم پر اسی کی حکومت ہے ۔ ہمارا فرض ہے کہ اسے اپنا مالک جانیں اور اس کے حکموں کو مانیں اور اسی کی پناہ طلب کریں ۔

اِلٰہِ النَّاسِ ۔ (لوگوں کا مقصود اور معبود) جو کائنات کا
ری مقصود اور حاکم مطلق ہو اور جس کی عبادت کی جائے
"اِلٰہ" کہتے ہیں ۔ عبادت ، بندگی اور فرماں برداری کا نام
ہ ۔ جب سب لوگوں کا رب بھی وہی ہے ، مالک بھی
ی ہے اور معبود بھی وہی ہے تو پناہ بھی اسی کی لینی
اہیے ، اور اسی کی پناہ میں امن کی امید رکھنی چاہیے ۔

وَسْواس (وسوسہ ڈالنے والا) دل میں ادھر آدھر کے غلط
یالات ڈالنا ، بہکانا اور پھسلانا شیطان کا کام ہے ۔ اس سے
نا چاہیے ۔ جو وسوسے پھیلائے اس سے کوسوں دور بھاگنا
اہیے ۔ انسان کی گمراہی دل کے وسوسوں سے ہی ہوتی ہے ۔

خَنَّاس (چھپ جانے والا) وسوسہ ڈالنے والا کھل کر
امنے نہیں آتا ۔ اکثر وہ چھپ کر دل پر حملے کرتا ہے ۔
کبھی دوستی اور خیر خواہی کے پردوں میں اس کی دشمنی
چھپی ہوتی ہے ۔ وہ دین و ایمان کی دنیا کو لوٹ لیتا ہے اور
بظاہر پتہ بھی نہیں چلتا ۔

جِنّ ۔ وہ پوشیدہ مخلوق ہے جو دکھائی نہیں دیتی ۔ اس
مخلوق کے بارے میں قرآن مجید میں ذکر اور رسول اکرم ﷺ
کی گواہی موجود ہے ۔

چھپ کر دل کے اندر وسوسے ڈالنے والے شیطان
شیطان صفت انسانوں سے بچنے کے لیے اللہ کریم کی پناہ
آنا ضروری ہے ۔

قرآن پاک کی ان آخری سورتوں کا یہی پیغام ہے
انسانوں کو تمام جسمانی ، قلبی اور روحانی مضرتوں سے
کے لیے مالک حقیقی کی پناہ میں آنا چاہیے اور اسی
سہارے سے چلنا چاہیے ۔ وہی حقیقی طور پر محافظ اور نگ
ہے ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحدیث

چالیس حدیثیں مع ترجمہ و تشریح

۱ - ایمان اور استقامت

قُلۡ اٰمَنۡتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسۡتَقِمۡ

(مسلم شریف)

ترجمہ :- کہہ کہ میں اللہ پر ایمان لایا - پھر ثابت قدم ہو جا -

تشریح - اٰمَنۡتُ (میں ایمان لایا) ایمان کے معنی ہیں کسی ایسی حقیقت پر یقین کر لینا ، جو حواس کی گرفت سے باہر ہو - ایمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ صحیح بات پر ہو - اس کی بنیاد فرضی باتوں اور غلط خیالات پر نہ ہو - ایمان کے لیے تین باتیں شرط ہیں - زبان سے اقرار کرنا ، دل سے یقین کرنا اور اس کے مطابق عمل کا ارادہ کر لینا -

اِسۡتَقِمۡ (ثابت قدم ہو جا) مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد اس عقیدے پر یوں ثابت قدم ہو جاؤ کہ کوئی لالچ یا خوف ایمان کو ڈانواں ڈول نہ کرسکے - دنیا

ادھر کی اُدھر ہوجائے مگر اس یقین میں فرق نہ آئے۔ صحا
کرام رضی اللہ عنہم نے ایمان پر ثابت قدم رہنے کی ایس
مثالیں چھوڑی ہیں کہ رہتی دنیا تک یادگار رہیں گی ۔

۲ ۔ قرآن مجید پڑھو اور پڑھاؤ

خِیَارُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَ عَلَّمَہٗ

(ابن ماجہ)

ترجمہ :- تم میں بہترین وہ ہیں جو خود قرآن مجید
سیکھیں اور دوسروں کو سکھائیں ۔

تشریح ۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا آخری کلام ہے
یہ پیغام خداوندی ساری دنیا کی ہدایت کے واسطے قیامت
تک کے لیے آیا ہے ۔ اس کے بعد نہ کوئی اور کتاب آئے گی
اور نہ اس کے علاوہ کوئی اور نسخہ انسانوں کی دنیا و آخرت
کو سنوار سکے گا ۔ لہٰذا جو شخص اس آخری کتاب قرآن مجید
کو خود سیکھتا اور دوسروں کو سکھاتا ہے اس سے بہتر اور
کوئی شخص نہیں ۔

۳ ۔ نیّت یا ارادہ

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ

(بخاری شریف)

ترجمہ :- یقیناً اعمال کا دار و مدار نیّتوں پر ہے ۔

تشریح ۔ نیّت تمام اعمال کی بنیاد ہے ۔ اس لیے کہ نیّت

ر ارادے کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا ۔ ہم ہاتھ پاؤں سے
و کچھ کرتے ہیں ، اس کے لیے پہلے دل میں ارادہ پیدا ہوتا
ے ۔ پھر یہی ارادہ آنکھ ، ناک ، کان ، زبان ، ہاتھ پاؤں
رض ہر عضو اور ہر طاقت کو کام پر لگاتا ہے ۔

ہمیں اچھے اور برے کاموں کی جزا و سزا بھی اس نیت
ور ارادے کی بدولت ملتی ہے ۔ اگر کوئی شخص اپنے ارادے
کے بغیر بھول کر روٹی کھا لے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا ۔
حالانکہ جان بوجھ کر پانی کا ایک گھونٹ پی لینے یا روٹی کا
یک لقمہ کھا لینے سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے ۔ نماز ہزاروں
رکتیں لاتی ہے لیکن یہی نماز اگر دکھاوے کی نیت سے ہو تو
رباد کر دیتی ہے ۔

نیّت کی درستی سے دل میں اخلاص پیدا ہوتا ہے ۔ اس
سے اعمال اچھے ہوتے ہیں ۔ کاموں میں برکت ہوتی ہے ۔
غرض پوری زندگی درست ہو جاتی ہے ۔ اس لیے کہ اعمال کا
دارو مدار نیتوں پر ہے ”جیسی نیت ہوگی ویسا ہی پھل
ملے گا “ ۔

۴ ۔ روح مذہب

اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ

(مسلم شریف)

ترجمہ :۔ دین خیر خواہی کا نام ہے ۔

تشریح ۔ النَّصِیحَۃُ ۔ اپنی زبان میں ہم یہ لفظ محض دوسروں کو سمجھانے کے لیے استعمال کرتے ہیں لیکن عربی میں اس کے معنی دوسروں کا بھلا چاہنا اور خیر خواہی کرنا ہے ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''دین کا مقصد یہ ہے کہ ہر شخص دوسروں کا بھلا چاہے اور خیر خواہی کرے'' ۔

حضورؐ نے اس بات کو اپنی زبان مبارک سے کئی صورتوں میں بیان فرمایا ۔ مثلاً ''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے محفوظ رہیں،، یا ایک اور موقع پر آپؐ نے فرمایا ''مسلمان وہ ہے جو اپنے بھائی کےلیے بھی وہی پسند کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہو'' ۔

۵ ۔ غنی کون ہے

اَلْغِنیٰ غِنَی النَّفْسِ

ترجمہ :۔ تونگری دل کی تونگری ہے ۔

تشریح ۔ غِنٰی کے معنی بے نیازی اور تونگری کے ہوتے ہیں ۔ اس لحاظ سے ''غنیؔ'' تونگر اور مالدار کو کہتے ہیں ۔ عرب رسم الخط کے اعتبار سے لفظ ''غِنٰی'' حرف ''ی'' کے ساتھ لکھا جاتا ہے ۔ لیکن اسے الف کے ساتھ غنا پڑھا جاتا ہے ۔

ایک تونگر اور مالدار آدمی کو بظاہر کوئی حاجت اور
رت نہیں ہوتی ۔ اسے ہر شے سے بے نیاز ہونا چاہیے ۔ لیکن
ر دیکھا گیا ہے کہ جس کے پاس زیادہ دولت ہوتی ہے اسے
ں بھی زیادہ ہوتی ہے ۔ اور دولت کے ساتھ اس کی ضروریات
تی چلی جاتی ہیں ۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تونگری مال سے
، دل سے ہوتی ہے ۔ جیسا کہ فارسی میں مقولہ ہے ''تونگری
ل است نہ بمال'' ۔ دل کی تونگری کا ہی دوسرا نام
اعت' ہے ۔

آدمی کا دل غنی ہو تو وہ غربت میں بھی خوش رہتا ہے
نہ دنیا جہان کی دولت بھی کسی کو مطمئن نہیں کر سکتی ۔

٦۔ پاکیزگی

اَلطُّهُورُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ

(مسلم شریف)

ترجمہ :۔ پاکیزگی ایمان کا حصہ ہے ۔

تشریح ۔ طَہَارَتْ اور پاکیزگی کے فوائد کون نہیں جانتا اس لیے
کہ جسمانی صحت ہو یا روحانی لذت ، دونوں کے بغیر اللہ پاک کی
عبادت نہیں ہوسکتی ۔ چنانچہ نماز ادا کرنے کے لیے جگہ کا
پاک ہونا ، کپڑوں کا پاک ہونا ، جسم کا پاک ہونا نماز کی

شرائط میں داخل ہے - نماز سے پہلے وضو ضروری ہے اور نا
کی صورت میں غسل بھی فرض ہے -

اگر اس کے باوجود کوئی مسلمان گندا رہتا ہے تو
اس نے نہ اسلام کو سمجھا ہے نہ اس پر عمل کیا ہے
حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے صاف فرمایا
طہارت ایمان کا حصہ ہے -

۷ - نماز

اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْن

(بیہقی - شعب الایمان)

ترجمہ :- نماز دین کا ستون ہے -

تشریح - اسلام کے پانچ اصول ہیں - انھیں ارکان کہا
جاتا ہے - یعنی دین کے پانچ رکن - رکن کے معنی ستون
کے ہوتے ہیں - عماد کے معنی بھی ستون کے ہیں - اسلام کے
پانچ رکن یہ ہیں -

(۱) توحید اور رسالت کی گواہی دینا
(۲) نماز
(۳) روزہ
(۴) زکٰوۃ
(۵) حج

اگر کسی عمارت کے ستون گر جائیں تو عمارت بھی گر جاتی ہے۔ اسی طرح اسلام کے ان اصولوں کو چھوڑ دینا دین کی عمارت کو گرانے کے برابر ہے۔

ارکان اسلام میں نماز کا دوسرا درجہ ہے۔ اس کی تاکید دوسرے تمام ارکان سے زیادہ آئی ہے۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے ''جو شخص پانچ وقت نماز ادا نہیں کرتا وہ جہاد نہیں کر سکتا'' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی اس نے گویا کفر کیا''۔

۸ ۔ روزہ

اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ

(نسائی شریف)

ترجمہ :۔ روزہ ڈھال ہے۔

تشریح ۔ جُنَّةٌ عربی زبان میں ڈھال کو کہتے ہیں۔ ڈھال پر تلوار اور نیزہ وغیرہ کے وار روکے جاتے ہیں۔ ڈھال انسانوں کو دشمن کے حملوں سے محفوظ رکھتی ہے اور اس کے جسم و جان کی حفاظت کرتی ہے۔ بالکل اسی طرح روزہ گناہوں سے بچانے کے لیے ڈھال کا کام دیتا ہے۔

روزے سے اخلاق کی حفاظت ، روح کی پاکیزگی اور نفس کی تربیت ہوتی ہے - ایک مسلمان روزے کی حالت میں صرف کھانے پینے سے ہی نہیں رکتا بلکہ گندی خواہشوں سے بھی باز رہتا ہے - گالی گلوچ ، جھوٹ اور غیبت سے پرہیز کرتا ہے - جیسا کہ ہمارے رسول پاک صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "غیبت سے روزہ خراب ہو جاتا ہے" - ایک دوسرے موقع پر حضور صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ''جس شخص نے جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑا اللّٰہ پاک کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے کی ضرورت نہیں ''۔

۹ ـ زکوٰۃ

اَلزَّكٰوةُ قَنْطَرَةُ الْاِسْلَامِ

(طبرانی)

ترجمہ :ـ زکٰوۃ اسلام کا خزانہ ہے -

تشریح ـ قَنْطَرَةُ ـ ڈھیر اور خزانے کو کہتے ہیں -
زکوٰۃ یہ ہے کہ ہر سال اپنے مال سے اس کا چالیسواں حصہ اللّٰہ کی راہ میں نکال دیا جائے -

بظاہر یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ مال و دولت

میں زکوٰۃ نکالنے کو اسلام کا خزانہ کہا گیا ہے ۔ حالانکہ دنیا جمع کرنے کو خزانہ کہتی ہے ۔ غور سے دیکھا جائے تو زکوٰۃ دنیا کا خزانہ جمع کرنے سے کم نہیں ۔ جو شخص اپنے خزانے کو اللہ کے لیے دیتا ہے وہ ایک طرف اپنے لیے نیکیوں کا ڈھیر جمع کر لیتا ہے ، دوسری طرف وہ ملک و ملت اور غریبوں کی محتاجی کو دور کرتا ہے ۔

اپنے مال میں سے خرچ کرنا اس کی اپنی ذات کے لیے نیکیوں کا خزانہ ہے اور معاشرے کے لیے دولت کا خزانہ ہے ۔

۱۰ ۔ حج

اِنَّ الْحَجَّ یَغْسِلُ الذُّنُوبَ کَمَا یَغْسِلُ الْمَاءُ الدَّنَسَ

(طبرانی)

ترجمہ :۔ حج گناہوں کو یوں دھو ڈالتا ہے جیسے پانی میل کو صاف کردیتا ہے ۔

تشریح ۔ حج اسلام کا پانچواں رکن ہے ۔ ساری دنیا کے مسلمان مکہ مکرمہ آتے ہیں اور اسلامی سال کے بارھویں مہینے ذوالحجہ کی ۹ تاریخ کو عرفات کے میدان میں حاضر ہوتے ہیں ۔

حج میں سب کا لباس ایک جیسا ہوتا ہے ۔ کس قدر سادہ لباس ہے کہ ایک چادر تہمد کے طور پر باندھ لیتے ہیں ۔

ایک جسم پر لپیٹ لیتے ہیں ۔ اسے احرام کہتے ہیں ۔ حاجی مکّہ مکرمہ میں اللہ کے گھر کا طواف کرتے ہیں ۔ صفا اور مروہ پہاڑیوں کے درمیان سعی کرتے ہیں ۔ منیٰ کے مقام پر قربانی کرتے ہیں ۔ شیطان کے ستونوں پر کنکریاں مارتے ہیں ۔ ہر دم ان کی زبان پر اللہ کا نام اور "لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ" کی صدا ہوتی ہے ۔ جس کا مطلب ہے ، میں حاضر ہوں ۔ اے اللہ میں حاضر ہوں ۔

حج کرنے کے لیے لاکھوں مسلمان دنیا کے دور دراز علاقوں سے ہزاروں میل کا سفر کر کے آتے ہیں ۔ روپیہ پیسہ خرچ کرتے ہیں ۔ وہ ہر طرح کی تکلیفیں اٹھاتے ہیں ۔ کام کاج اور گھر بار چھوڑ کر آتے ہیں ۔ اس لیے اس کا اجر تمام عبادتوں سے زیادہ ہے ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ حج کرنے کے بعد آدمی گناہوں سے یوں پاک ہو جاتا ہے جیسے ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے ۔

۱۱ ۔ جہاد

اَلْجَنَّةُ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ

(مستدرک حاکم)

ترجمہ :۔ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے ۔

تشریح ۔ جہاد بھرپور کوشش کو کہتے ہیں ۔ خواہ

مال سے ہو یا جان سے یا کسی اور چیز سے ۔

جَنَّۃٌ گھنے درختوں والے باغ کو کہتے ہیں ۔ قیامت کے دن نیک بندے اپنی نیکیوں کے بدلے جنت میں جائیں گے ۔ یہاں انھیں ہر قسم کی نعمتوں سے مالا مال کیا جائے گا ۔ کھانے پینے کی ہر شے موجود ہوگی ۔ صاف ستھرا ماحول ہوگا نہ کوئی فقرو و فاقہ ہوگا نہ دنگا فساد ۔ ہر طرح سے امن چین ہوگا ۔ حضور پاکؐ نے فرمایا ''جنت تلواروں کے سائے تلے ہے ۔'' جہاد کرنے والے جنت میں جائیں گے ۔ اللہ کی راہ میں لڑنے والے اگر کامیاب ہو جائیں تو غازی کہلاتے ہیں ۔ اگر جان کی بازی لگا دیں تو شہید ہو جاتے ہیں اور ہمیشہ کی زندگی پا لیتے ہیں ۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا ''جو لوگ میری راہ میں مارے جائیں انھیں مردہ مت کہو ، وہ زندہ ہیں ۔ تمھیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ۔''

۱۲ ۔ اولین مستحق

اِبۡدَأۡ بِمَنۡ تَعُولُ

(طبرانی)

ترجمہ :۔ اس شخص سے شروع کر جس کا نان نفقہ تمھارے ذمے ہو ۔

تشریح ۔ بِمَنْ تَعُوْلُ ۔ جس کا نان نفقہ تمھارے ذمے ہے ۔ روٹی کپڑا وغیرہ مہیا کرنے اور زندگی کی ضروریات پوری کرنے کو نان نفقہ کہتے ہیں ۔

اس حدیث میں یہ اصول بتایا گیا ہے کہ سب سے پہلے تمھاری امداد کا مستحق وہ ہے جس کا روٹی کپڑا تمھارے ذمے ہے ۔

یہ بات درست نہیں کہ اپنے بال بچے بھوکے مریں اور تم دوسروں کو کھلاتے پھرو ۔ اپنے گھر والے پیسے پیسے کو محتاج پھریں اور تم دوسروں پر سخاوت کرتے پھرو ۔ فارسی زبان میں اس سے ایک محاورہ بنا ''اول خویش بعدہٗ درویش''۔

۱۳ ۔ رشوت

اَلرَّاشِیْ وَالْمُرْتَشِیْ کِلَاهُمَا فِی النَّارِ

(طبرانی ۔ معجم صغیر)

ترجمہ :۔ رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں جہنم میں جائیں گے ۔

تشریح ۔ حاکموں کے پاس تحفے تحائف لے جانا ، ڈالیاں پہنچانا یا انھیں روپیہ پیسہ دینا رشوت ہے ۔ اس لیے کہ اس کا

مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان سے ناجائز فائدے حاصل ہوسکیں۔ جو شخص رشوت دے وہ ''راشی'' ہے۔جو شخص رشوت حاصل کرے اسے ''مرتشی'' کہا جاتا ہے۔

بعض لوگ رشوت کو ''تحفہ'' کا نام دے کر اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں۔ حالانکہ رشوت اور تحفے کے درمیان ایک واضح فرق ہے۔ اگر تحفہ منصب کی بنا پر دیا جاتا ہے تو وہ تحفہ نہیں رشوت ہے۔ لیکن اگر کسی مقصد کے بغیر اور منصب کے لحاظ کے بغیر دیا جائے تو تحفہ کہلا سکتا ہے۔ اسلامی تعلیم کی رو سے رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں برابر کے مجرم ہیں اور دونوں کی سزا دوزخ کی آگ ہے۔

۱۴۔ ملاوٹ کرنے والا

مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا

(ترمذی شریف)

ترجمہ :- جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں۔

تشریح :- غَشَّ (ملاوٹ کی۔ دھوکا دیا) اس کے لفظی معنی دھوکا دینے کے ہوتے ہیں۔ دھوکا اور ملاوٹ کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص لوگوں کو فریب دینے کے لیے برے مال پر اچھا مال رکھ دے یا نمونہ اچھا دکھائے

اور مال خراب دے ۔ جیسے کوئی شخص بھیگے ہوئے ملاوٹی اور خراب غلے کے ڈھیر پر تھوڑے سے اچھے گیہوں ڈال دے تاکہ اوپر سے دیکھنے والا دھوکا کھا جائے ۔

ملاوٹ کی دوسری صورت یہ ہے جو آج کل عام ہے ۔ جس سے کوئی شے خالص میسّر نہیں ۔ گھی میں چربی اور تیل ملایا جا رہا ہے ، مرچ میں پسی ہوئی اینٹ ، ہلدی میں لکڑی کا رنگا ہوُا برادہ اور چائے میں کیکر کی چھال ملائی جا رہی ہے ۔ اس سے محض روح اور اخلاق نہیں بلکہ انسانی صحت بھی تباہ ہو رہی ہے ۔ ایسے دھوکے باز اور ملاوٹ کرنے والے کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا ''وہ ہم میں سے نہیں''۔ یعنی اسلامی برادری سے خارج ہے ۔

۱۵ - مسلمان کون ہے ؟

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ

(متفق علیہ)

ترجمہ :۔ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں ۔

تشریح ۔ خود اسلام کے معنی ہیں ''سلامتی چاہنا اور امن دینا'' اور اسلام کی تعلیم بھی یہی ہے کہ ایک مسلمان

دوسروں کے لیے، اپنے ہمسایوں کے لیے اپنے ساتھیوں کے لیے، غرض اپنے پرائے سب کے لیے سکھ کا باعث بنے ۔ نہ اس کے ہاتھوں سے کسی کو نقصان پہنچے نہ اس کی زبان سے کسی کی دل آزاری ہو ۔

جس طرح کسی پر ہاتھ اُٹھانا برا ہے اسی طرح کسی کے خلاف قلم چلانا بھی برا ہے ۔ جیسے کسی کو گالی دینا جائز نہیں اسی طرح پیٹھ پیچھے کسی کی بدگوئی اور غیبت کرنا بھی روا نہیں ۔

۱۶ ۔ رحم کرنا

اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ

(طبرانی)

ترجمہ :- جو زمین پر ہیں تم ان پر رحم کرو ۔ جو آسمان پر ہے وہ تم پر رحم کرے گا ۔

تشریح :- اس حدیث پاک میں رحم و کرم کی تعلیم ایک دوسرے انداز میں پیش کی گئی ہے ۔ فرمایا اگر تم بندوں سے نیک سلوک کرو گے تو خدا بھی تم سے نیک سلوک کرے گا ۔ اگر تم نے اپنے ساتھیوں پر رحم کیا تو خدا تم پر رحم فرمائے گا ۔ ایسا کون شخص ہوگا جسے اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کی ضرورت نہ ہو اور وہ اس کے رحم کا طلب گار نہ ہو ۔

مشہور شاعر حالی نے اسی مفہوم کو ان الفاظ میں پیش کیا ہے :

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

۱۷ - جنت سے محرومی

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ خَبٌّ وَّلَا بَخِيلٌ وَّلَا مَنَّانٌ

(ترمذی شریف)

ترجمہ :- جنت میں داخل نہیں ہوگا، دغا باز، کنجوس اور احسان جتانے والا -

تشریح :- اس حدیث میں تین قسم کے لوگوں کو جنت سے محروم قرار دیا گیا ہے -

(۱) خَبٌّ - دغا باز، دھوکا دینے والا، فریبی اور مکار -

(۲) بَخِيلٌ - وہ کنجوس جو مال جمع کرتا رہے مگر خرچ نہ کرے - روپیہ پیسہ اس کے پاس ہو مگر وہ جائز ضروریات پر بھی اسے صرف نہ کرے -

(۳) مَنَّانٌ - احسان جتانے والا اور نیکی کرنے کے بعد نیکی کو جتانے والا - بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ

وہ جوش میں آ کر یا کسی وقتی مصلحت کے باعث کسی سے نیکی کرتے تو ہیں مگر پھر ساری عمر اس پر احسان دھرتے رہتے ہیں ۔ اس طرح وہ اپنا سارا کیا دھرا خود ضائع کر دیتے ہیں ۔ ایسے لوگ جنت سے محروم رہیں گے :

جو احسان کرکے جتانے لگے   وہ اپنے کیے کو مٹانے لگے

۱۸ ۔ جھوٹا کون ہے

كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِباً اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَاسَمِعَ

(مسلم شریف)

ترجمہ ۔ کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات دوسروں کو بتلاتا پھرے ۔

تشریح :۔ اس حدیث پاک میں دو اصول بیان کیے گئے ہیں ۔ ایک تو یہ کہ ہر سنی سنائی بات پر تحقیق کیے بغیر یقین نہیں کرنا چاہیے ۔ دوسرے یہ کہ ہر افواہ اور سنی سنائی بات کو آگے دوسروں سے بیان نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ عام طور پر افواہیں بے بنیاد ہوتی ہیں ۔ سنی سنائی باتوں کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی ۔ ان کے بے احتیاطی سے بیان کرنے سے فساد پیدا ہوتا ہے ۔

افواہیں دوسروں تک پہنچانے والا بظاہر اپنی طرف سے

سچ بولتا ہے لیکن اس کا بیان سراسر غلط بھی ہوسکتا ہے۔ اس طرح وہ سچا بن کر جھوٹ کی منادی کر رہا ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیے کہ وہ سچا نہیں بلکہ جھوٹا ہوتا ہے۔ ہمیں ایسی حرکتوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔

۱۹ - پردہ پوشی

مَنْ سَتَرَ مُسْلِماً سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

(مسند احمد)

ترجمہ :- جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ پاک قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔

تشریح :- سَتَر چھپانے کو کہتے ہیں ۔ اسی سے لفظ "ستار" ہے جس کے معنی ہیں بہت چھپانے والا ۔ پردہ پوشی سے مراد ہے دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالنا اور برائیوں کو لوگوں کے اندر مشہور نہ کرتے پھرنا۔

برائیوں کی اصلاح کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔ لیکن اصلاح کے بجائے محض کسی کو بدنام کرنے کے لیے اس کی برائیاں لوگوں سے کہتے پھرنا ایک برا فعل ہے۔ اس سے کسی کو فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ ایسا کرنے سے برائی عام ہو جاتی ہے۔

جن لوگوں کو برائیوں کا علم نہیں ہوتا انہیں بھی پتہ لگ جاتا ہے۔

حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو بندوں کے عیبوں پر پردہ ڈالے گا اللہ قیامت کو اس کے عیبوں کی پردہ پوشی کرے گا۔ کون ہے جو عیبوں سے خالی اور گناہوں سے پاک ہے؟ اگر غیب کی تمام باتوں کو جاننے والا اللہ دلیا میں ہمارے عیبوں کو نہ چھپائے تو ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں اور اگر قیامت کے دن ہمارے گناہوں پر پردہ نہ ڈالا جائے تو ہمارا کیا حشر ہوگا۔

۲۰ ۔ قطع تعلق کرنے والا

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ

(متفق علیہ)

ترجمہ :- قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔

تشریح :- ”قطع“ عربی زبان میں کاٹنے اور جدا کرنے کو کہتے ہیں۔ ”قاطع“ وہ شخص ہے جو تعلقات کو توڑ دے۔ رشتوں کی پروا نہ کرے۔ تعلق توڑ دینا آسان ہے۔ مگر

ایک بار تعلقات قائم کرکے انہیں باقی رکھنا مشکل ہے - یہ ایک بہت بڑی خوبی ہے - خصوصاً رشتہ داروں سے تعلقات کو نبھانا نیکی میں شامل ہے - اس مختصر سی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص عزیزوں اور رشتہ داروں سے قطع رحمی کرتا ہے وہ جنت میں داخل نہ ہوگا -

اختلافات کہاں نہیں ہوتے - رشتہ داری میں ان کی اور بھی زیادہ گنجائش ہوتی ہے - ہر دم کی شراکت سے اختلافات پیدا ہونے کا ہر وقت امکان رہتا ہے - ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ اختلافات کبھی نہ پیدا ہونے دے اور اگر ایسا ہو جائے تو ان اختلافات کو مٹائے نہ کہ رشتوں کو کاٹنے کی کوشش کرے -

۲۱ - ہمسائے کا آرام

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَّا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ

(مسلم شریف)

ترجمہ :- وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہوں -

تشریح :- بَوَائِقَه (اس کے شر) اس کا واحد "بائقہ" ہے جس کے معنی شر اور مصیبت کے ہیں -

جَار۔ (پڑوسی اور ہمسایہ) اسلام نے ہمسائے کا بہت بڑا حق رکھا ہے۔ اس کے بعض حقوق اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں جیسے رکھے ہیں۔ ان کی عزت و آبرو کو اپنی عزت و آبرو کے برابر قرار دیا ہے۔ ہمسائے کی گواہی کو دوسری تمام شہادتوں سے زیادہ اہمیت دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمسائے کو جس قدر صحیح اور درست معلومات ہوسکتی ہیں دوسرے کو نہیں ہوسکتیں۔

آدمی کو یوں تو کسی کے ساتھ بھی شرارت نہیں کرنی چاہیے۔ خصوصاً ہمسایہ کو ہر قسم کے شر اور مصیبت سے محفوظ رکھنا چاہیے۔ حضور پاک صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کا ہمسایہ اس کی مصیبتوں اور شرارتوں سے محفوظ نہیں وہ جنت میں داخل نہ ہوسکے گا۔

۲۲ - رحمت و شفقت

مَنْ لَمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَلَمْ یَعْرِفْ حَقَّ کَبِیْرِنَا فَلَیْسَ مِنَّا

(ابو داوٗد)

ترجمہ: جو شخص ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور بڑوں کا حق نہیں پہچانتا وہ ہم میں سے نہیں۔

تشریح :۔ اس حدیث کے دو حصے ہیں ایک چھوٹوں کے بارے میں اور دوسرا بڑوں کے بارے میں ۔

صَغِیْرَنَا ۔ (ہمارے چھوٹے) ارشاد ہے جو بڑا ہماری امت کے چھوٹوں کے ساتھ رحم و کرم سے پیش نہ آئے اور وہ ان سے محبت و شفقت کا برتاؤ نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ۔

کَبِیْرَنَا ۔ (ہمارے بڑے) فرمایا کہ جو چھوٹا ہماری امت کے بڑوں کے حق نہ پہچانے اور ان کی عزت و احترام نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ۔ گویا بڑوں پر فرض ہے کہ چھوٹوں پر رحم کریں اور چھوٹوں پر لازم ہے کہ بڑوں کا ادب و احترام کریں ۔ وہ عمر میں بڑے ہوں، رشتہ میں بڑے ہوں، علم میں بڑے ہوں یا نیکی اور بزرگی میں اونچا مقام رکھتے ہوں ، سب ہی واجب الاحترام ہیں ۔

ہمارے نبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچوں سے بے حد محبت تھی ۔ آپ کسی بچے کو بھی روتا اور غمزدہ نہیں دیکھ سکتے تھے ۔ اسی طرح آپ ہر بڑے کی عزت کرتے تھے خواہ وہ کسی دوسری قوم سے ہی کیوں نہ ہو ۔

۲۳ - اَلسّلامُ علیکم

يَا بُنَىَّ اِذَا دَخَلْتَ عَلٰى اَهْلِكَ فَسَلِّمْ تَكُنْ بَرَكَةً عَلَيْكَ وَ عَلٰى اَهْلِ بَيْتِكَ

(ترمذی شریف)

ترجمہ :- اے بیٹے جب تو اپنے اہل خانہ کے پاس آئے تو انھیں سلام کر - تجھ پر بھی برکت ہوگی اور تیرے اہل خانہ پر بھی -

تشریح :- اَهْلِكَ - (تیرے گھر والے ، اہل خانہ) اس میں بیوی بچے ، چھوٹے بڑے ، مرد و عورت سب ہی شامل ہیں -

سَلِّمْ (سلام کر ، السلامُ علیکم کہو)

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کے معنی ہیں تم پر سلامتی ہو - اسلام کا یہ سلام کتنا پیارا ، جامع اور بامعنی ہے - سب کے لیے دعا ہے اور دعا بھی سلامتی کی - کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر دم اور ہر گھڑی کی سلامتی -

دوسری قوموں کے سلام دیکھو - انگریزی سلام میں صرف ایک وقت کی دعا ہوتی ہے - مثلاً صبح اچھی ہو ، شام اچھی ہو یا جدائی اچھی ہو اور ملاقات اچھی ہو - ہندو صرف

رام رام کہتے ہیں یا بندگی اور آداب عرض کے الفاظ ک
دیتے ہیں۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اسلامی سلام ہے۔ ہر چھوٹے پر ضرور
ہے کہ بڑوں کو سلام کرے۔ مجلس میں آنے والا اور مجا
سے جانے والا سلام کرے۔ سوار آدمی پیدل کو اور چل
والا بیٹھے ہوئے لوگوں کو سلام کرے۔ اسی طرح جب
کوئی گھر میں داخل ہو تو اپنے گھر والوں کو السلام علیک
کہے۔ اس سے خود اس پر بھی برکت ہوگی اور اس کے اہل
خانہ پر بھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرما
"ہر مسلمان کو سلام کرو۔ خواہ تم اسے پہچانتے ہو یا نہیں
کسی کے سلام کا انتظار تکبر کی علامت ہے۔ حضورؐ ہمیشہ
سلام میں پیش قدمی فرماتے تھے۔

۲۴ - کھانے کے آداب

سَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ

(متفق علیہ)

ترجمہ :- بسم اللہ پڑھو، اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ
اپنے سامنے سے کھاؤ۔

تشریح :- اس مبارک حدیث میں کھانا کھانے کے تین آداب بیان ہوئے ہیں - سَمِّ اللهَ کھانے کی ابتدا بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم سے کرنی چاہیے - جس کا مطلب ہے کہ میں اللہ کے نام سے ابتدا کر رہا ہوں جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے - حضور صلّی اللہ علیہ وَ آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ بسم اللہ سے ہر کام میں برکت ہوتی ہے -

بِیَمِیْنِکَ (اپنے دائیں ہاتھ سے) حکم یہ ہے کہ کسی خاص مجبوری اور عذر کے سوا کھانا ہمیشہ دائیں ہاتھ ہی سے کھانا چاہیے اور پانی پینے کے لیے بھی گلاس دائیں ہاتھ ہی سے پکڑنا چاہیے -

مَایَلِیْکَ (جو تیرے سامنے ہے) ایک دستر خوان پر کئی یا ایک ہی برتن میں کوئی کھانے کی چیز ہو تو سنت یہ ہے کہ اپنے قریب کی چیز کھائے - یہ نہیں کہ ہاتھ بڑھا کر بدتمیزوں کی طرح دوسروں کے سامنے سے یا دور کی چیزیں اٹھائے -

کھانے پینے کے یہ چند آداب ہیں جنھیں ہمیشہ مد نظر رکھنا چاہیے -

۲۵ - بد عہد

لَا دِیْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَلَهٗ

(مسند احمد

ترجمہ :- اس کا کوئی دین نہیں ، جس میں عہد کی پابندی نہیں -

تشریح :- عَہد - قول و قرار اور وعدے کو کہتے ہیں - وعدہ زبانی ہو یا لکھا ہوا بہر حال اس کا پورا کرنا ضروری ہے - کوئی فرد ہو یا پوری قوم اس کی عزت اس کی ساکھ سے ہوتی ہے - جو لوگ اپنے قول و قرار کو پورا نہ کریں اور وعدوں پر قائم نہ رہیں ان کی ساکھ نہیں رہتی اسلام نے عہد کی پابندی پر بہت زور دیا ہے -

ہمارے رسول اکرم صلّی اللہ و آلہ وسلم قول کے اس قدر پختہ تھے کہ وہ کسی صورت میں اس سے نہ پھرتے - کسی کو زبان دے دی گویا پتھر پر لکیر ہوگئی - ممکن نہ تھا کہ اس کے خلاف عمل ہو جائے - آپؐ نے اپنی امت کو بھی یہ تعلیم دی اور فرمایا ”جس کا قول نہیں گویا اس کا کوئی دین نہیں“ -

۲۶ - بد دیانت

لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَۃَ لَہٗ

(مسند احمد)

ترجمہ :- اس کا ایمان نہیں جو امانت دار نہیں -

تشریح :- اَمانَہ - جو چیز کسی کے پاس حفاظت کے
یے رکھ دی جائے وہ امانت ہے - حضور پاک صلّی اللہ علیہ وَ
لہ وسلم نے امانت کا مفہوم بہت وسیع کر دیا - آپؐ نے
رمایا کہ اگر کوئی تمھیں اپنا راز بتلا دے تو گویا وہ راز
مھارے پاس ایک امانت ہے - اگر تم کسی سے وہ راز بیان
کرو گے تو یہ خیانت ہوگی - اگر کوئی مشورہ مانگے تو صحیح
ائے دینا امانت ہے - اگر غلط مشورہ دیا جائے تو یہ بھی
یانت ہوگی -

آنحضرتؐ خود بھی امانت داری اور دیانتداری میں اپنی
ساری قوم میں مشہور تھے آپؐ کے دشمن بھی اپنی امانتیں
آپؐ ہی کے پاس لا کر رکھتے تھے - وہ لوگ جو ہر طرح سے
آپؐ کے مخالف تھے وہ بھی آپؐ کو ''الامین'' کہہ کر
پکارتے تھے - اس کے معنی ہیں امانت دار •

امانت کے اندر کمی بیشی کرنا یا اسے بلا اجازت اپنے
استعمال میں لانا یا وقت پر واپس نہ کرنا، خیانت ہے اور
بد دیانتی میں شامل ہے - جو کوئی امانت میں خیانت کرتا
ہے اس کا کوئی ایمان نہیں -

۲۷ - میانہ روی اور کفایت شعاری

مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ

(مسند احمد)

ترجمہ :- وہ محتاج نہ ہُوا جس نے میانہ روی اختیار کی۔

تشریح :- عال محتاج اور مفلس ہونے کو کہتے ہیں -

اِقْتِصَاد - میانہ روی کو کہتے ہیں - یعنی اعتدال اور
درمیانی راہ اختیار کرنا اور اخراجات کے اندر کفایت سے کام
لینا - نہ فضول خرچی ہو نہ کنجوسی -

نبی صلّی اللہ علیہ وَ آلہ وسلم نے کس قدر مبارک اور
مفید اصول بیان فرمایا ہے کہ خرچ کرنے میں کفایت سے کام
لو - اعتدال کی حد سے آگے نہ بڑھو - جو شخص میانہ روی
اختیار کرے گا وہ محتاج اور مفلس نہ ہوگا - جو آدمی آمد
کے مطابق خرچ کرے گا اور اندازے سے بڑھ کر اخراجات

اٹھائے گا ، اول تو وہ آئندہ کے لیے کچھ ضرور بچا لے گا
ر اگر کچھ پس انداز نہ بھی کرسکے جب بھی کفایت شعاری
عادت کی وجہ سے کبھی پریشان نہ ہوگا۔

۲۸ - احترام آدمی

لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ

(متفق علیہ)

ترجمہ :- تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا
ب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرتا ہو جو اپنے
ے پسند کرتا ہے۔

تشریح :- لِاَخِیْہِ (اپنے بھائی کے لیے)۔ "بھائی" کے لفظ
ں ایک بہت بڑی حکمت پوشیدہ ہے۔ یہ کہنے کی بجائے
کہ "دوسروں کے لیے وہی کچھ پسند کرو جو اپنے لیے
سند کرتے ہو" بھائی کا لفظ فرمایا۔ مقصد یہ ہے کہ سب
کو اپنا بھائی سمجھو اور اپنی طرح خیال کرو۔ اللہ اللہ کس
در محبت اور ایثار کی تعلیم ہے۔ اگر دنیا یہ اصول اختیار
کرلے تو نفسی نفسی نہ رہے۔ میں اور تُو کا سوال مٹ جائے
ور اپنے پرائے کی تمیز ختم ہو جائے۔ سب ایک برادری میں
شریک ہو جائیں اور یہ دنیا محبت اور امن کا گہوارہ بن جائے۔

۲۹ - غیر ضروری باتوں سے پرہیز

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهٗ مَالَایَعْنِیْهِ

(ترمذی شریف)

ترجمہ :۔ ایک آدمی کے اسلام کی خوبی اس میں ہے کہ وہ غیر ضروری باتوں کو چھوڑ دے ۔

تشریح :۔ مَالَایَعْنِیْهِ ۔ وہ بات جس کے معنی کچھ نہ ہوں اور جو غیر متعلق ہو ۔ یا ایسی بات جو مقصود نہ ہو یوں ہی بلا سوچے سمجھے کہہ دی جائے ۔

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ یوں ہی ہر بات میں دخل دیتے رہتے ہیں ۔ نہ ان کا کچھ مقصد ہوتا ہے نہ مطلب ایسی باتوں کا ترک کر دینا بہت بڑی خوبی ہے ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے غیر ضروری باتوں کو چھوڑنا اسلام کی خوبی بیان فرمایا ہے ۔

۳۰ - نیک راہ بتلانے والا

مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِه

(مسلم شریف)

ترجمہ :۔ جس نے کسی کو نیک راہ بتلائی اسے بھی نیکی کرنے والے کے برابر اجر ملے گا ۔

تشریح : دَلَّ (راہ نمائی کی ۔ راستہ بتلایا) دلالت اور دلیل کے لفظ اسی ایک مادّے سے بنے ہیں ۔

خَیر۔ (نیکی) ہر قسم کی بھلائیاں اور نیکیاں اس لفظ ''خیر'' کے مفہوم میں شامل ہیں ۔

فَاعِلٌ ۔ (کرنے والا) یعنی وہ شخص جو دراصل بھلائی اور نیکی پر عمل کرنے والا ہو۔ حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کو نیکی کی راہ بتلاتا ہے اور بھلے کام کی تلقین کرتا ہے ، اُسے بھی نیکی کرنے والے کے برابر اجر ملے گا ۔ ایسا کرنے سے نیکی عام ہو جائے گی اور چراغ سے چراغ جلتا چلا جائے گا ۔

اسلام اللہ کریم کا پسندیدہ دین ہے ۔ قرآن مجید اس کی آخری کتاب اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس کے آخری نبی ہیں ۔ اب کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا ۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ دین کی باتیں اور نیکی کے کام دوسرے تک پہنچائے تاکہ ہر طرف اللہ کے نام کا چرچا ہو اور نیکی غالب آ جائے ۔ اسی کو ''تبلیغ'' کہا جاتا ہے ۔

۳۱ - مہمان نوازی

مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَہٗ

(متفق علیہ)

ترجمہ :- جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس پر لازم ہے کہ مہمان کا احترام کرے۔

تشریح:- یکرم (وہ احترام کرے) ''اکرام'' عزت و احترام بجا لانے کو کہتے ہیں۔

ضَیْفَہٗ (اس کا مہمان۔ اپنا مہمان) حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے مہمان نوازی پر زور دیا ہے۔ اس بارے میں آپؐ کی اپنی زندگی مبارک کے بے شمار واقعات بطور مثال موجود ہیں۔

آپ بڑے اہتمام سے مہمان کی خاطر و مدارت کرتے۔ کسی مہمان کے آنے پر حد درجہ خوش ہوتے۔ مہمان کو اللہ کا انعام خیال کرتے۔ خود بھوکے رہتے مگر اس کے کھانے کا انتظام فرماتے۔ اس کی ضروریات کو اپنی ضرورتوں پر مقدم سمجھتے۔

کافر اور یہودی بھی اگر آپ کے مہمان بن کر آتے تو آپؐ ان کی خاطر تواضع میں بھی کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے۔ اس سے وہ لوگ بہت متاثر ہوتے اور آپ کے اخلاق کے قائل

ہو جاتے تھے - ہم پر لازم ہے کہ مہمان نوازی میں کبھی کوتاہی نہ کریں - اللہ کے ہاں اس کا بڑا اجر ہے -

۳۲ - ختم نبوت

اَنَا قَائِدُ الْمُسْلِمِیْنَ وَلَا فَخْرَ - اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ

(دارمی شریف)

ترجمہ :- میں مسلمانوں کا راہنما ہوں اور یہ کوئی فخر کا اظہار نہیں - میں آخری نبی ہوں -

تشریح:- قائد - (راہنما) قوم کے لیڈر اور سربراہ کو قائد کہتے ہیں - حضور پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مسلمانوں کے روحانی ، سیاسی ، دینی اور دنیوی ، غرض ہر لحاظ سے راہنما تھے - آپؐ نے ہر معاملے میں رہنمائی فرمائی اور قیادت کا حق ادا فرما دیا - حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رہنمائی وقتی نہ تھی بلکہ آپؐ کی رسالت و قیادت قیامت تک کے لیے ہے - یہ وہ شان ہے جو کسی اور شخص کو نصیب نہیں ہوئی -

لَا فَخْرَ - (کوئی فخر نہیں) کس قدر اخلاق بلندی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے اتنے بڑے مقام پر فائز ہوتے ہوئے بھی نہ فخر فرماتے ہیں نہ ناز کرتے ہیں - کسی غرور اور تکبر کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا -

خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ (آخری نبی) حضورصلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات پر رسالت ختم ہو گئی - آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا - یہ وہ منصب ہے جو کسی اورکو نصیب نہیں ہوا -

۳۳ - خدمت خلق

عُوْدُوا الْمَرِیْضَ وَ اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَ فُکُّوا الْعَانِیَ

(بخاری شریف)

ترجمہ :- بیمار کی تیمارداری کرو - بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور قیدی کو آزاد کرو -

تشریح :- اس حدیث شریف میں تین باتوں کا حکم دیا گیا ہے -

عُوْدُوْا - (تیمارداری کرو) بیمار کی بیمار پرسی کو بہت بڑی نیکی قرار دیا گیا ہے - حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے عبادت میں داخل کیا ہے - تیمارداری سے بیمار کا مرض کم ہو یا نہ ہو اسے ایک سکون ضرور حاصل ہوتا ہے - تھوڑی دیر کے لیے وہ اپنی تکلیف کو بھول جاتا ہے -

اَطْعِمُوْا (کھانا کھلاؤ) ضرورت مندوں کی مدد کرنا نیکی میں شامل ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بھوکوں کو کھانا کھلانے پر خاص زور دیا ہے -

فُکُّوا العانِیَ ۔ (قیدی کو آزاد کرو) فُکُّوا کے معنی ہیں آزاد کرو اور رہا کرو ۔ العانِی کے معنی قیدی کے ہیں ۔

پرانے زمانے میں دشمن جنگوں میں گرفتار ہو کر آتے تھے ۔ یہ قیدی غلام بنا لیے جاتے تھے ۔ وہ اپنی آزادی کے لیے فتح حاصل کرنے والوں کے رحم و کرم پر ہوتے تھے ۔ اِس زمانے میں ایسے قیدیوں کے علاوہ افراد کی طرح کتنی ہی کمزور قومیں غلامی کے اندر گرفتار ہیں اور اپنی آزادی کے لیے بے بسی کے ساتھ ہماری مدد کی منتظر ہیں ۔

۳۴ - بہترین کمائی

خَیْرُ الکَسْبِ کَسْبُ الْمَعَالِیِ اِذَا نَصَحَ

(مسند امام احمد)

ترجمہ :- بہترین کمائی بلندیوں کا حاصل کرنا ہے جب کہ انسان خیر خواہی کرتا رہے ۔

تشریح :- کسب کمائی کو کہتے ہیں ۔ اسی سے لفظ "کاسب" بنا ہوا ہے جس کے معنی کمانے والے کے ہوتے ہیں ۔

مَعَالِی کے معنی بلندیوں کے ہیں ۔ بلندیوں سے مراد اعلیٰ مقاصد کے لیے کام کرنا ہے ۔

نَصَح - خیر خواہی اور بھلا چاہنے کو کہتے ہیں - حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ کمائی ، دولت جمع کرنے کا نام نہیں - بلکہ کمائی یہ ہے کہ بلندیوں میں آگے بڑھو - مگر مرتبے کی بلندی اور عُہدے کی ترقی تمہیں مغرور نہ کر دے - بلکہ جس قدر بلندی حاصل ہو آدمی اسی قدر لوگوں کا خیر خواہ ہو جائے اور سب کا بھلا چاہے اور عمدہ اور اعلیٰ کاموں کی طرف بڑھتا رہے -

۳۵ - ذخیرہ اندوزی

لَا یَحْتَکِرُ اِلَّا الْخَاطِیُٔ

(مسلم شریف)

ترجمہ :- ذخیرہ اندوزی نہیں کرتا مگر وہی جو خطا کار ہے -

تشریح :- لَا یَحْتَکِرُ- (ذخیرہ اندوزی نہیں کرتا) "احتکار" ذخیرہ اندوزی کو کہتے ہیں - یعنی گراں بیچنے کے لیے غلہ وغیرہ جمع کر لینا اور پھر زیادہ داموں پر فروخت کرنا - ایسا کرنا تجارت نہیں بلکہ لوٹ مار ہے - اسلام کی رو سے یہ بات ہرگز جائز نہیں کہ کوئی شخص غلہ یا دوسری

چیزوں کر ان کی فصل کے موقع پر گراں فروشی کے خیال سے اکٹھا کر لے اور پھر من مانے داموں پر فروخت کرے۔ حضور صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے احتکار کرنے والوں کو قاتلوں کی صف میں رکھا ہے۔

۳۶ ۔ دعا کی اہمیّت

اَلدُّعَآءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ

(ترمذی شریف)

ترجمہ :۔ دعا عبادت کا مغز ہے۔

تشریح :۔ مُخّ عربی زبان میں مغز اور گُودے کو کہتے ہیں یعنی کسی شے کا اصلی اور بہترین حصہ۔

چیزوں کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک خول اور چھلکا جو اپنی جگہ پر بے کار تو نہیں ہوتا لیکن اس کا مقصد مغز کی حفاظت کرنا ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص گودے کو چھوڑ کر صرف خول کو چاٹتا پھرے تو اسے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اسی طرح عبادت کی رسوم اپنی جگہ ضروری ہیں مثلاً اٹھنا، بیٹھنا، رکوع اور سجدہ کرنا نماز کے اندر فرضوں میں شامل ہیں لیکن ان سب کی جان دعا ہے۔ دعا نہ ہو تو ساری عبادت محض ایک خول رہ جاتی ہے۔ ویسے صلٰوۃ کے معنی

بھی دعا کے ہیں - ضروری ہے کہ خول اور مغز دونوں کی حفاظت کی جائے یعنی عبادت کے ساتھ دعا کا بھی خاص طور پر خیال رکھا جائے -

۳۷ - ہمسائے کی خبر گیری

مَآ اٰمَنَ بِیْ مَنْ بَاتَ جَارُہٗ جَائِعاً

(البزّار)

ترجمہ :- وہ مجھ پر ایمان نہیں لایا جس کا ہمسایہ رات کو بھوکا سویا ہو -

تشریح :- مَن بَاتَ - اس کا ترجمہ ہے جس نے رات بسر کی یا جو رات کو سویا - "جوع" بھوک کو کہتے ہیں اور "جائع" کے معنی بھوکے کے ہوتے ہیں -

غور کیجیے کہ حضرت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمسائے کی دیکھ بھال اور خیر خواہی کو کس قدر ضروری قرار دیا ہے - فرمایا کہ اگر کوئی شخص خود پیٹ بھر کر کھانا کھائے مگر اس کا ہمسایہ رات کو بھوکا پڑا رہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لایا - اگر "رَحمَۃٌ لِلعَالَمِین" پر اس کا ایمان ہوتا تو ان کے احکام پر عمل کرتا اور ان کی سنّت کی پیروی کرتا اور اپنے ہمسایوں سے ہرگز بے پروائی نہ برتتا -

۳۸ - باپ کی رضا

رِضَا الرَّبِّ فِی رِضَا الْوَالِدِ وَ سَخَطُہٗ فِی سَخَطِ الْوَالِدِ

(ترمذی شریف)

ترجمہ :- اللہ کی رضا باپ کی خوشنودی میں ہے اور اس کی ناراضی باپ کی ناخوشی میں -

تشریح :- رضا - خوشی اور پسندیدگی کو کہتے ہیں -
سخط - غصے ، ناخوشی اور غضب کو کہتے ہیں -

اس حدیث شریف میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کی خوشنودی اور ناخوشی باپ کے راضی اور ناراض ہونے میں ہے - اگر تم نے باپ کو خوش کر لیا تو گویا اللہ کو خوش کرنے کا سامان کر لیا - اور اگر باپ کو ناخوش کر دیا تو اللہ کریم کو ناراض کر لیا - مبارک ہے وہ اولاد جو باپ کو راضی کرکے جنت کا پروانہ حاصل کرتی ہے -

شرعی حدود کے اندر والدین کی اطاعت فرض ہے - البتہ شریعت کی خلاف ورزی کی صورت میں ان کی اطاعت تو جائز نہیں -

۳۹ - ماں کا احترام

اَلْجَنَّۃُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّھَاتِ

(القضاعی)

ترجمہ :- جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے -

تشریح :- حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ماؤں کا درجہ بہت اونچا بتایا ہے - فرمایا کہ جنت ان کے قدموں کے نیچے ہے - غور کریں تو اس ایک ارشاد میں ہزاروں حکمتیں چھپی ہوئی ہیں -

ماں کی خدمت کرنا ، اس کا ادب بجا لانا ، جنت حاصل کرنے کی ضمانت ہے - اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے اندر بھی والدین کے حقوق کی طرف بار بار توجہ دلائی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ان کی خدمت کی بہت تاکید فرمائی ہے - ایک موقع پر حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ناکام رہا جس نے والدین کو بڑھاپے میں پایا مگر ان کی خدمت کرکے جنت نہ خریدی - ایک مرتبہ کسی صحابی نے عرض کی کہ حضور صلّی اللہ علیہ وَ آلہ وسلم جس نے ماں کی صورت ہی نہ دیکھی ہو وہ کیا کرے - فرمایا اپنی خالہ کی خدمت کرے کہ وہ ماں جیسی ہوتی ہے - جب پوچھا گیا کہ اگر خالہ بھی نہ ہو تو کیا ارشاد ہے - آپؐ نے جواب دیا کہ وہ والدہ کی سہیلی کی خدمت کرے -

۴۰ - رسالت کا مقصد

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ

(مسلم شریف)

ترجمہ :- میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں -

تشریح :- بُعِثتُ (میں بھیجا گیا ہوں) ۔

لِاُتمّم (تاکہ میں تکمیل کروں) ''تتمیم'' مکمل کرنے اور آخری منزل تک پہنچانے کو کہتے ہیں ۔

مکارم الاخلاق ۔ (اخلاق کی خوبیاں) اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور ہمارے مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی آمد کا مقصد خود اپنی مبارک زبان سے بیان فرمایا کہ میں دنیا کے اندر اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق کی تکمیل کر دوں ۔ تمام اخلاق کو کامل طور پر سمجھا دوں اور ہر نیکی اپنے عمل سے کرکے دکھا دوں ۔ جس طرح آپؐ پر رسالت ختم ہوئی اسی طرح اخلاقی خوبیاں آپؐ کی ذات میں مکمل ہو گئیں ۔ قرآن مجید نے آپؐ کے اخلاق کے متعلق یوں شہادت دی ہے ۔

''اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ''

ترجمہ :- یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے شک آپ بہت اعلیٰ اخلاق سے متصف ہیں ۔

سیرۃ النبی ﷺ

۱ ـ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاندان

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کا سلسلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جا ملتا ہے ۔ آپ ان کے بڑے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد کو اللہ نے بہت برکت دی ۔ وہ مختلف خاندانوں میں پھیل گئی ۔ ان میں قریش کا قبیلہ بہت نامور ہوا ۔ سارے عرب پر اس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی اور مکے کی سرداری انھیں حاصل تھی ۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اسی قبیلے کے فرزند تھے۔ قبیلہ قریش کے بڑے لوگوں میں ایک نامور سردار ہاشم تھے ۔ حضرت ہاشم اپنی سخاوت اور دولت کی وجہ سے ملک بھر میں مشہور تھے ۔ حج کے موقع پر حاجیوں کے ٹھہرانے ، ان کو کھانا کھلانے اور پانی پلانے کا کام انھیں کے سپرد تھا ۔ حاجیوں کے لیے پانی جمع رکھنے کی غرض سے انھوں نے چمڑے کی مشکیں بنوائیں ۔ اس بنا پر انھیں خاص شہرت حاصل ہو گئی

ایک دفعہ ملک کے بعض حصوں میں قحط پڑ گیا۔

ہاشم نے اپنی دولت سے منوں اناج خریدا اور اسے پکوا کر غریبوں میں تقسیم کیا۔ نیکی کے کارناموں کی وجہ سے ہاشم ملک بھر میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے نام سے ان کا خاندان ہاشمی کہلانے لگا۔

حضرت ہاشم جوانی کے دنوں میں ایک بار یثرب (مدینہ) گئے اور وہاں ایک معزز خاتون سے، جس کا نام سلمیٰ تھا، شادی کی۔ ان سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو عبدالمطّلب کے نام سے مشہور ہوا۔ یہی عبدالمطّلب ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دادا تھے۔

حضرت عبدالمطّلب جوان ہو کر باپ کے صحیح جانشین ثابت ہوئے۔ حاجیوں کے رہنے سہنے اور کھانے پینے کا انتظام انھیں کے ہاتھ میں آیا۔ مکّے کا مشہور کنواں زمزم جو ایک عرصے سے بند پڑا تھا، حضرت عبدالمطّلب نے اسے دوبارہ کھدوایا اور درست کرایا۔ عربوں پر عبدالمطّلب کا یہ بہت بڑا احسان تھا۔

حضرت عبدالمطّلب کے دل میں کمزوروں اور مسافروں کے لیے بہت ہمدردی تھی۔ وہ مکّے کے مانے ہوئے رئیس اور شہر کی مجلس انتظامیہ کے، جسے الندوہ کہتے تھے، اہم رکن

تھے - خدا نے ان کو دس بیٹے دیے تھے -

حضرت عبداللہ حضرت عبدالمطّلب کے سب سے پیارے اور لاڈلے بیٹے تھے - کہتے ہیں کہ حضرت عبدالمطّلب نے خانہ کعبہ میں کھڑے ہو کر یہ منّت مانی تھی کہ اگر دس بیٹے ہوئے اور سب جوان ہوگئے تو ان میں سے ایک کو خدا کی راہ میں قربان کر دوں گا - عرب سردار کی یہ تمنا پوری ہو گئی - ان کے دس بیٹے ہوئے اور وہ ان کی زندگی ہی میں جوان بھی ہوگئے -

حضرت عبدالمطّلب نے بیٹوں کے نام پانسہ ڈالا - قرعہ چہیتے بیٹے عبداللہ کے نام پر پڑا - شہر کے دوسرے سرداروں نے اصرار کے ساتھ یہ مشورہ دیا کہ جوان بیٹے کی بجائے اونٹوں کی قربانی دے دی جائے - حضرت عبدالمطلب بڑی مشکل سے اس بات پر رضامند ہوئے - چنانچہ حضرت عبداللہ کے صدقے میں ایک سو اونٹوں کی بھاری قربانی دی گئی - یہی حضرت عبداللہ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے والد ہیں -

حضرت عبداللہ کی شادی مدینے میں ایک دوسرے قریش گھرانے بنی زہرہ میں ہوئی - اس خاتون کا نام بی بی آمنہ تھا - شادی کو ابھی چند ماہ ہی گذرے تھے کہ حضرت عبداللہ نے تجارت کے لیے شام کا سفر اختیار کیا - واپسی میں وہ مدینہ میں اپنے کے ننھیال بنی نجّار کے ہاں ٹھہرے - وہاں وہ ایسے

بیمار پڑے کہ اس دنیا سے رخصت ہوگئے ۔ اور انہیں وہیں دفن کیا گیا ۔

بی بی آمنہ کے ہاں ان کے خاوند حضرت عبداللہ کی وفات کے کوئی چار ماہ بعد ایک بچہ پیدا ہوا ، وہ بچہ جس کی قسمت میں دنیا کا سب سے بڑا انسان اور آخری نبی ہونا لکھا تھا ، جس کی بدولت عرب کی خاک کیمیا ہوگئی اور دنیا کی بگڑی بن گئی ۔

بوڑھے دادا نے جب پوتے کی پیدائش کی خبر سنی تو ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چھلک آئے ۔ دوڑے ہوئے بی بی آمنہ کے گھر پہنچے اور پوتے کو بازوؤں میں اٹھا کر کعبہ میں لے گئے ۔ وہاں سب لوگوں نے بوڑھے سردار کو مبارک باد دی ۔

پیدائش : حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش ۱۲ ربیع الاول (۲۱ اپریل ۵۷۱ء) کو ہوئی ۔ عرب اس سال کو "عام الفیل" کہتے تھے ۔ عام ، عربی میں سال کو کہتے ہیں ۔ یہ وہی سال تھا جب ابرہہ نے ہاتھیوں کی فوج سے مکے پر حملہ کیا تھا ۔ لہٰذا اسے عام الفیل کہا جاتا ہے یعنی ہاتھی کا سال ۔

جدید تحقیقات کی رو سے تاریخ پیدائش ۹ ربیع الاول ہوتی ہے ۔ یہ اختلاف اعداد و شمار کی بنا پر ہے اور اس لیے بھی کہ اسلام سے قبل عرب میں کوئی کیلنڈر موجود نہ تھا ۔

۲ - ابتدائی زندگی

اسم مبارک : بوڑھے سردار حضرت عبدالمطّلب نے پوتے

کی خوشی میں ساتویں دن قبیلے کی دعوت کی ۔ اس موقع پر لوگوں نے بچے کا نام دریافت کیا ۔ حضرت عبدالمطّلب نے خوشی سے کہا ''محمّد'' (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ۔ محمّد کے معنی ہیں جس کی بہت زیادہ تعریف کی گئی ہو ۔ یہ نام ان لوگوں کے لیے بالکل نیا اور انوکھا تھا ۔ انھوں نے حیرت سے پوچھا ''یہ کیا نام ہے ؟'' حضرت عبدالمطلب نے جواب میں یہ تاریخی فقرہ کہا ''رَجَاءَ اَنْ يُحْمَدَ'' ''مجھے امید ہے کہ اس بچے کی تعریف کی جائے گی اور مجھے یقین ہے کہ اس بچے کی بہت تعریف ہوگی'' ۔

بوڑھے سردار کی یہ آرزو پوری ہوئی ۔ واقعی دنیا میں کسی فرد کی اس قدر تعریف نہیں کی گئی ، جس قدر حضرت عبدالمطلب کے اس یتیم پوتے کی تعریف ہوئی اور ہوتی رہے گی ۔

عرب میں یہ دستور تھا کہ شہر کے شریف گھرانوں کے بچوں کو کھلی اور آزاد فضا میں پرورش کی خاطر دیہات میں بھیج دیا جاتا تھا تاکہ صحت مند اور بہادر جوان بن کر نکلیں ۔ اس کا ایک اور فائدہ یہ بھی تھا کہ دیہات میں بچوں کو خالص عربی زبان سیکھنے کا موقع ملتا تھا ۔ اس دستور کے مطابق پیدائش کے چند روز بعد دادا نے اپنے یتیم پوتے کو پرورش کے لیے ہوازن قبیلے کے بنی سعد خاندان کی ایک نیک دل خاتون حلیمہ کے سپرد کر دیا ۔

مائی حلیمہ سعدیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

پرورش بڑی احتیاط اور محبت کے ساتھ کی - جب آپؐ دو برس کے ہوئے تو آپؐ کو مکے لائیں - ماں نے اپنے ہونہار لخت جگر کو سینے سے لگایا - دادا نے فرط محبت سے پیار کیا - اتفاق سے ان دنوں شہر کی ہوا خراب تھی اور بچے بیمار ہو رہے تھے - یہ دیکھ کر بی بی آمنہ نے اپنی گود سے اٹھا کر بچے کو دایہ کی گود میں دیا اور کہا "اسے دوبارہ اپنے ساتھ لے جاؤ - جب تک مکے کی آب و ہوا ٹھیک نہیں ہوتی اسے اپنے پاس رکھو" - آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حلیمہ کے گھر میں مزید دو برس تک رہے اور اس کے بعد جب آپؐ والدہ کے پاس آئے تو اس قدر تندرست تھے کہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ بڑے دکھائی دیتے تھے - والدہ اور دادا بچے کی صحت دیکھ کر مائی حلیمہ سے بہت خوش ہوئے اور اپنی بساط کے مطابق بہت کچھ انعام دے کر رخصت کیا -

اب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ حضرت آمنہ کے پاس رہنے لگے - ان کے دل میں بہت دیر سے خواہش تھی کہ بچہ ذرا بڑا ہو تو اسے اپنے مرحوم شوہر کی قبر پر لے جائیں - ساتھی تو رخصت ہو چکا تھا لیکن اس کی قبر پر یہ تحفہ لے جانے کا ارمان بی بی کے دل میں ایک عرصے سے مچل رہا تھا - چنانچہ اگلے سال بی بی آمنہ آپؐ کو ساتھ لے کر یثرب (مدینہ) گئیں -

قبر کی زیارت سے فارغ ہو کر بی بی آمنہ اپنے میکے میں

کوئی ایک ماہ تک ٹھہری رہیں ۔ جب مکّے کو واپس ہوئیں
تو راستے میں ابواء کے مقام پر بیمار ہو کر انتقال فرما گئیں
ظاہر ہے کہ یہ سانحہ رسول اکرم صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کے
ننھے سے دل کے لیے برداشت سے زیادہ تھا ۔ معلوم نہیں والدہ
سے جدا ہو کر آپ ؐ کے دل پر کیسی چوٹ لگی ہوگی ۔

مائی اُم ایمن حضور اکرم صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کی
والدہ کی وفادار کنیز ساتھ تھیں ۔ بچپن میں آپ ؐ نے ان کا
چند دن دودھ بھی پیا تھا ۔ وہ اس وقت آنحضرت صلی اللّٰہ
علیہ وآلہ وسلم کے کام آئیں ۔ انھوں نے آپ ؐ کو دادا
عبدالمطّلب کے پاس مکّے پہنچا دیا ۔ حضرت عبدالمطّلب نے
پوتے کو سینے سے لگایا اور بہت محبت سے پرورش کرنے لگے
لیکن اب وہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے ۔ بیاسی سال کی عمر
تھی ۔ قریباً دو سال بعد وہ بھی فوت ہو گئے اور اس یتیم پو۔
کو اپنے دوسرے بیٹے ابوطالب کے سپرد کر گئے ۔

سچ ہے کہ بڑے لوگوں پر مصیبتیں بھی بڑی آتی ہیں ۔
آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھیے ، پیدا ہونے سے
پہلے والد ماجد فوت ہو چکے تھے ۔ ابھی چھ برس کے ہونے
تھے کہ والدہ کی محبت بھری گود سے محروم ہونا پڑا ۔ ماں باپ
کے بعد دادا نے سہارا دیا تو وہ بھی دو سال بعد چل بسے ۔
اب ان کی دیکھ بھال کی تمام ذمہ داری آپ کے چچا حضرت
ابوطالب نے سنبھالی اور واقعی محبت اور شفقت کا حق ادا

کر دیا ۔ بھتیجے کو اولاد سے زیادہ عزیز رکھا اور ہر دکھ درد میں ساتھ دیا ۔

۳ ۔ حضور کی جوانی

جوان ہو کر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وَ آلہ وسلم ملک عرب کے قاعدے کے مطابق کچھ مدت بھیڑ بکریاں اور اونٹ چراتے رہے ۔ خاندان میں سبھی لوگ تجارت کرتے تھے ۔ چنانچہ آپؐ نے بھی جلد اس طرف توجّہ کی اور چھوٹی سوٹی تجارت شروع کر دی ۔ لین دین کی صفائی اور وعدوں کی سچائی نے آپؐ کا نام دور و نزدیک مشہور کر دیا ۔

تجارت میں کامیابی کا سب سے بڑا گر نیک نامی اور ساکھ ہے اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وَ آلہ وسلم پر لوگوں کے اعتماد کا ابھی سے یہ عالم تھا کہ بے کھٹکے اپنی رقمیں آپؐ کے پاس رکھ جاتے اور اندھیرے سویرے جب چاہتے واپس لے جاتے ۔

صَادِق اور امین : آپؐ کی دیانت کی شہرت یہاں تک بڑھی کہ سب چھوٹے بڑے آپؐ کو الاَمِین (شک و شبہ سے بالا امانت دار) اور الصَّادِق (بے مثال صداقت کا پتلا) کہہ کر پکارنے لگے ۔

اس زمانے میں عام عربوں کی اخلاق حالت بہت خراب تھی ۔ شراب ، جوا ، زنا اور لوٹ مار اس وقت کے جوانوں کی عادتوں میں شامل تھی ۔ لیکن ماحول کی اس عام پستی کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جوانی صبح

صادق کی طرح بے داغ تھی ۔

مکّے کے عوام بھی آپؐ کی عقل اور سمجھ سے بہت متاثر تھے ۔ ایک دن خانہ کعبہ کی دیوار کے سائے میں دو عرب یہ گفتگو کرتے سنے گئے ۔ ”بھئی یہ نوجوان محمّد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جسے ہم ایک سچا اور دیانت دار جوان سمجھتے تھے بڑا سیاست دان نکلا ۔ سنا تم نے ؟ حجر اسود کا جھگڑا کس خوبی سے نپٹایا ہے“ ۔ ”ہاں بھئی غضب کر دکھایا ہے محمّد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے“ ۔

واقعہ حجر اسود : حجر اسود کے واقعے کی تفصیل یہ ہے کہ خانہ کعبہ کی دیواریں سیلاب سے گر جانے کے باعث دوبارہ اٹھائی جانی تھیں ۔ اس تعمیر میں مکّہ کے سب قبیلے شریک تھے ۔ جب حجر اسود نصب کرنے کا وقت آیا تو ہر قبیلے کے لوگوں کے دل میں یہ خواہش مچلنے لگی کہ حجر اسود کو اس کی جگہ رکھنے کا شرف انہی کو حاصل ہو ۔

قریب تھا کہ تلواریں سونت لی جاتیں اور خون خرابہ شروع ہو جاتا ۔ سمجھ دار لوگ اس معاملے کو نپٹانے کے لیے کعبے میں جمع ہوئے اور طے پایا کہ کل جو شخص سب سے پہلے کعبے میں داخل ہو ، اسے ”حَکَم“ (جج) مان لیا جائے اور وہ جو فیصلہ کرے اسے سب قبول کر لیں ۔ یہ تجویز سب نے مان لی ۔ اگلے روز انھوں نے دیکھا کہ ”الامین“ کعبہ میں سب سے پہلے داخل ہو رہے ہیں ۔ سب پکار اٹھے

کہ ''الامین'' ہمارا ''حکم'' ہوگا۔

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک چادر میں حجر اسود کو رکھا اور سب سرداروں کو موقع دیا کہ چادر کو کونوں سے پکڑ کر اوپر اٹھائیں اور اس نیکی کے کام میں شریک ہوں۔ جب مقدس پتھر اپنی مخصوص جگہ کے برابر پہنچ گیا تو آپ نے اپنے ہاتھ سے اٹھا کر اسے دیوار میں رکھ دیا۔ اس سے سب مطمئن ہوگئے۔ کسی کو شکایت کا موقع نہ ملا اور جس نے سنا آپ کی تعریف کی کیونکہ اس طرح تمام قبیلوں کی نمائندگی ہوگئی۔

یہ چند واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے داغ جوانی کی شہادت دیتے ہیں۔ جس ماحول میں ہر طرف عیاشی کا چرچا تھا اور دھڑے بندی کا دور دورہ تھا آپؐ کا یہ نمونہ اہل شہر کے لیے کچھ کم حیرت انگیز نہ تھا۔ اسی لیے وہ آپؐ کو جوانی کے اس زمانے میں ہی الصادق اور الامین کہہ کر پکارتے اور عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

حیا : دوسری خوبیوں کے علاوہ حیا آپؐ کے اندر بے حد نمایاں تھی۔ بچپن میں بھی آپؐ جسم ننگا نہ ہونے دیتے تھے۔ خود داری کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ کوشش کرتے کہ آپؐ کا بوجھ کسی پر نہ پڑے اور اپنی روزی خود پیدا کریں۔

حلفُ الفُضُول : حلف الفضول عرب کی تاریخ کا ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ وہ ایک معاہدہ تھا جس پر دستخط کرنے والے اشخاص کے نام میں فضل کا مادہ مشترک تھا۔ اس لیے

اس معاہدے کو ''حلف الفضول،، کہنے لگے - یعنی جس میں کئی فضل ناسی اصحاب شریک ہوئے -

اس معاہدے کی شرائط میں ضروری باتیں یہ تھیں کہ ہم لڑائی جھگڑا مٹائیں گے - اپنے اپنے قبیلے کی حدود میں لوٹ مار ختم کر دیں گے، مسافروں کی حفاظت اور غریبوں، یتیموں کی دیکھ بھال کریں گے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوششوں سے کئی قبیلوں نے اس معاہدے کو مان لیا اور اس طرح دنیا کی تاریخ میں سب سے پہلا امن کا معاہدہ طے پایا -

۴ - حضرت خدیجہؓ سے عقد

مکہ مکرمہ میں ایک بیوہ خاتون رہتی تھیں - ان کا نام خدیجہ تھا مگر لوگ انھیں طاہرہ (پاک دامن) کے نام سے پکارتے تھے ان کے والد خویلد بہت دولت مند تاجر تھے - انھوں نے زندگی ہی میں اپنی ساری دولت اور تجارت اپنی اکلوتی بیٹی کے سپرد کر دی تھی -

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دیانت اور شرافت کا چرچا عام ہُوا تو حضرت خدیجہ نے آپؐ کو بلا کر کہا کہ آپؐ میرا مال تجارت شام لے جائیں - میں آپؐ کو اوروں سے دوگنا معاوضہ (اجرت) دوں گی - آپؐ نے یہ پیش کش قبول کر لی اور ملک شام کو تشریف لے گئے -

عربوں میں تجارت کا یہ طریقہ عام تھا کہ کسی کا مال لے کر کوئی دوسرا تجارت کرتا اور پھر نفع آپس میں تقسیم ہو

پاتا ۔ اس سفر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ایک غلام میسرہ آپؐ کے ساتھ تھا ۔

تجارت میں فائدہ حضرت خدیجہ کی توقع سے بڑھ کر ہؤا ۔ اس کے علاوہ میسرہ نے تجارتی سفر کے دوران میں جو کچھ دیکھا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق و عادات کو جیسا پایا تھا اس کا ذکر اپنی مالکہ سے کیا تو وہ آپؐ کے اخلاق کی اور بھی گرویدہ ہوگئیں ۔ انہوں نے اپنی سہیلی نفیسہ کے ہاتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شادی کا پیغام بھجوایا ۔ آپؐ نے اپنے چچا حضرت ابو طالب اور دوسرے عزیزوں کے مشورے کے بعد اسے قبول کر لیا اور اس طرح آپؐ کی شادی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوگئی ۔ چچا نے خود نکاح پڑھا ۔ شادی کے وقت آپؐ کی عمر پچیس برس اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس برس کے قریب تھی ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر میں گو بہت زیادہ فرق تھا اور وہ بیوہ تھیں مگر جب تک وہ زندہ رہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرا نکاح نہ کیا اور شادی کے بعد پورے پچیس سال تک آپؐ نے اپنی جوانی کی عمر اس بزرگ نیک خاتون کے ساتھ گزاری ۔

شادی کے بعد آپؐ خاصے خوشحال ہوگئے تھے مگر آپؐ نے تجارت کرکے اپنے اور گھر کے اخراجات کو پورا

کیا۔ آپؐ اور آپؐ کی زوجہ حضرت خدیجہؓ دونوں اپنی دولت کو غریبوں اور محتاجوں کی امداد میں صرف کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ نکاح کے تقریباً پندرہ سال بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تمام دولت ختم ہو چکی تھی مگر وہ خوش تھیں کہ ان کی دولت خدا کی راہ میں اللہ کے بندوں کے کام آئی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ایک غلام زیدؓ بن حارثہ کو آپؐ کی خدمت میں دے دیا تھا۔ آپؐ نے زیدؓ کو آزاد قرار دے کر فرمایا "تم چاہو تو میرے پاس رہو اور چاہو تو اپنے ماں باپ اور عزیزوں میں جا سکتے ہو۔ تم آج سے آزاد ہو"۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اپنی مرضی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنا پسند کیا۔ جب ان کے رشتہ داروں نے گھر لے جانا چاہا تو انھوں نے صاف جواب دے دیا اور ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔

۵۔ غار حرا

سال پر سال گزرتے گئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر کوئی پینتیس برس کی ہوئی تو آپؐ اکثر کسی گہری سوچ میں رہنے لگے۔ اپنوں اور غیروں سے تعلقات میں اب بھی کمی نہ آئی تھی۔ گلی کوچوں سے گزرتے وقت چھوٹے بچوں کو اب بھی شفقت کی نگاہ سے دیکھتے اور پیار سے انھیں قریب بلاتے۔ کوئی بچہ انگلی پکڑے ہوتا، کوئی

دامن سے چمٹا ہوتا ، کوئی کاندھے پر سوار ہوتا - محتاجوں اور غریبوں کی دیکھ بھال بھی ویسی ہی کرتے جیسی پہلے فرماتے تھے -

آپؐ اکثر خاموش رہتے - چاروں طرف پست اخلاق اور جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی - آپؐ کے دل میں عام انسانوں کی حالت کو بہتر بنانے کا جذبہ پیدا ہو رہا تھا اور یہ جذبہ دن رات بڑھ رہا تھا - آپؐ اکثر اسی فکر میں ڈوبے رہتے تھے -

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنہا رہ کر سوچنے اور خدا کی قدرت پر غور کرنے میں زیادہ لطف آتا تھا - مکے کے قریب ایک پہاڑ کے غار میں جس کا نام "حرا" ہے چلے جاتے اور صبح و شام خدا کی عبادت میں لگے رہتے - سوچ بچار اور عبادت کا یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہا -

آپؐ ستو ، کھجور وغیرہ کی صورت میں کئی دنوں کی خوراک ساتھ لے جاتے اور عبادت میں مصروف رہتے جب خوراک ختم ہو جاتی تو گھر آ جاتے اور عزیز و اقارب کی خیر خیریت پوچھ کر اور خوراک ساتھ لے کر پھر حرا میں تشریف لے جاتے - غار حرا مکہ مکرمہ سے شمال مشرق کی سمت تین میل کے فاصلے پر اب بھی موجود ہے - اس زمانے میں آپ کا زیادہ وقت اسی غار میں گزرا -

٦ - حضور ؐ کی بعثت

اللہ تعالیٰ کا قاعدہ ہے کہ وہ اپنے خاص، نیک اور عالی ہمت بندوں کو رسول اور نبی بناتا ہے اور ان کے ذریعے نوعِ انسان کو اپنے احکام سے آگاہ کرتا ہے تاکہ وہ درست راہ پر چل کر کامیابی اور نجات حاصل کرسکیں اور ہر قسم کی برائیوں کے خوفناک نتائج سے محفوظ رہیں۔

جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی عمر چالیس برس کی ہوئی تو خداوند تعالیٰ نے آپ کو نبوت اور رسالت کے کام کے لیے منتخب کیا اور آپ ؐ کو ساری دنیا کے انسانوں کی ہدایت کے لیے سرفراز فرمایا۔

ایک روز حسب معمول آپ ؐ غار حرا کے اندر عبادت میں تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ ؐ کو نظر آئے۔ انھوں نے سب سے پہلی وحی آپ ؐ تک پہنچائی۔ اس وحی کو جس کے الفاظ یہ تھے پڑھنے کے لیے کہا۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ — (۱) اپنے اس رب کے نام سے پڑھ

الَّذِیْ خَلَقَ ۚ — جس نے پیدا کیا

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ — (۲) جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا

اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ (۳) پڑھ اور تیرا رب بڑا ہی کریم ہے

الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ (۴) جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا ۔

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ ۝ (۵) انسان کو وہ کچھ سکھایا

یَعْلَمْ ۝ جو وہ نہیں جانتا تھا ۔

اس ملاقات اور پیغام سے آپ کا دل کانپ اٹھا اور ہیبت سے پیشانی مبارک سے پسینہ پھوٹ پڑا ۔ اس نئے تجربے اور اتنی بڑی ذمہ داری کے احساس سے گھبرا اٹھنا بالکل قدرتی بات تھی ۔ غار سے نکل کر آپ گھر پہنچے اور حضرت خدیجہؓ سے سارا واقعہ بیان کیا ۔ آپ کو گھبرایا ہوا دیکھ کر حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسلی دی اور کہا :

”آپ غریبوں پر رحم فرماتے ہیں ، بے کسوں کی مدد کرتے ہیں اور جو قرض کے تلے دبے ہوں ان کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں ۔ اللہ آپ کو یوں نہ چھوڑے گا“ ۔

حضرت خدیجہؓ کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل عیسائی تھے ۔ وہ عبرانی زبان سے خوب واقف تھے ۔ انجیل اور تورات دونوں آسمانی کتابوں کے عالم تھے ۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کو ان کے پاس لے گئیں ۔

انھوں نے جب رسول پاک صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے وحی کا ماجرا سنا تو کہا یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام پر اترا تھا ۔ اسرائیلی پیغمبروں کی پیشگوئیاں آپؐ پر صادق آئیں گی ۔ پھر کہا : بھتیجے ! کاش میں اس وقت تک زندہ رہوں جب تمہاری قوم تم سے لڑے گی اور یہاں سے نکال دے گی ۔ کاش میں اس وقت تمھارا ساتھ دیتا اور تمھاری بھرپور مدد کرتا ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حیرت سے پوچھا کہ میری قوم مجھے یہاں سے نکلنے پر مجبور کرے گی؟ ورقہ نے جواب دیا : ''پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ان کی قوموں نے ایسے ہی سلوک کیے ہیں'' ۔ ورقہ کی گواہی کے بعد حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم آئندہ کے کٹھن کام کے لیے اپنے آپؐ کو تیار پانے لگے ۔

۷ ۔ تبلیغ

سب سے پہلے مسلمان : غار حرا کی پہلی وحی کے بعد کچھ عرصہ اسی حال میں گزرا ۔ ابھی آپؐ کو باقاعدہ تبلیغ کا حکم نہیں ہوا تھا ۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپؐ کی

زوجہ محترمہ نے جب وحی کا حال سنا تو فوراً ایمان لے آئیں - عورتوں میں سب سے پہلے انھی کو ایمان قبول کرنے کی سعادت حاصل ہوئی -

آزاد مردوں میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ ہیں - وہ حضورؐ کے بچپن کے ساتھی اور دوست تھے اور آپؐ کی دیانت داری اور سچائی سے پوری طرح باخبر تھے - بچوں میں سب سے پہلے آپ کے چچیرے بھائی حضرت علی مرتضیٰ کرّم اللہ وجہہ نے دین کو قبول کیا - حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے خادم حضرت زیدرضؓ بن حارثہ غلاموں میں سب سے پہلے اسلام لائے - حضور صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم انھیں آزاد کر چکے تھے مگر انھیں آزادی منظور نہ تھی اور حضور صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی غلامی پر انھیں بڑا ناز تھا -

کچھ مدت کے بعد حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر یہ وحی نازل ہوئی -

یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ۙ	(۱) اے چادر میں لپٹے ہوئے
قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ	(۲) کھڑا ہو جا - اور لوگوں کو متنبّہ کر دے

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۙ (۳) اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۙ (۴) اور اپنے کپڑے پاک رکھ

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۙ (۵) اور گندگی سے بچا رہ ۔

اب حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر فرض ہو گیا کہ خدا پر بھروسا کر کے کھڑے ہو جائیں اور لوگوں کو ہدایت کی طرف بلائیں ۔ برے کاموں سے روکیں اور ان کے خیالات اور عقیدے درست کریں ۔ عرب کے لوگ بڑے جاہل اور ہٹ دھرم تھے اور بت پرستی ان کی رگ رگ میں داخل ہو چکی تھی ۔ اپنے عقیدوں کو بدلنا تو ایک طرف ، بت پرستی کے خلاف ایک لفظ سننا بھی انھیں گوارا نہ تھا ۔

اس حال میں ان کے خیالات کے اندر ایک انقلاب پیدا کرنا اور بتوں سے ہٹا کر انھیں ایک خدا کے سامنے جھکانا جان جوکھوں کا کام تھا ۔ خدا کے فرمان کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس نہایت کٹھن اور عظیم الشان کام کا بیڑا اٹھایا ۔

کچھ دیر بعد جب یہ حکم نازل ہوا کہ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (اپنے خاندان کے عزیز و اقارب کو متنبہ کر دو)

تو آپؐ نے تبلیغ کی ابتدا اپنے قریب ترین لوگوں سے کی ۔ اس کے بعد آپؐ نے اور حضرت ابوبکرؓ نے مل کر چپکے چپکے قریش کے ایسے لوگوں کو ، جو طبیعت کے نیک اور سمجھ کے اچھے تھے ، اسلام کے اصول سمجھانے شروع کیے ۔ مکے کے مشہور لوگوں میں سے کچھ اصحاب ان کی کوششوں سے مسلمان ہوگئے ۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں : حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ، حضرت زبیر ، حضرت عبد الرحمان ابن عوف ، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ (رضی اللہ عنہم) ۔

اس خاموش تبلیغ کا سلسلہ اور لوگوں تک بھی پہنچا اور مسلمانوں کی تعداد بڑھنے لگی ۔ ان میں چند غلام بھی تھے جن کے نام یہ ہیں : حضرت عمار بن یاسر ، حضرت خبّاب بن ارتّ اور حضرت صُہیب رومی (رضی اللہ عنہم) ۔ قریش کے چند نوجوان بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے تھے جن میں حضرت ارقم بن ابی ارقم اور حضرت ابو عبیدہ بن جراح (رضی اللہ عنہما) مشہور ہیں ۔

حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کا گھر کعبہ شریف کے قریب ایک گلی میں واقع تھا ۔ یہ گھر اسلام کا پہلا مرکز بنا ۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہر روز وہاں تشریف لاتے اور مسلمانوں کو خدا کے احکام سناتے اور ان کو نیکی کی تلقین کرتے تھے ۔ حضرت ابوذّر غفاری اور حضرت عمر (رضی

اللہ عنہما) نے اسی گھر میں آ کر اسلام قبول کیا تھا ۔

آپؐ اکثر ان باتوں کی تبلیغ فرمایا کرتے تھے ۔ ''اے لوگو ! پہلی قومیں برے اعمال کے باعث تباہ و برباد کی گئیں ۔ زنا سے بچو ۔ جھوٹ سے پرہیز کرو ۔ کسی کا حق مت چھینو ۔ رشتہ داروں کا حق پہچانو ۔ مسافروں اور کمزوروں پر ظلم نہ کرو ۔ اپنی بچیوں کو قتل کرنے سے باز رہو ۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے ۔ بڑوں کا ادب کرو ۔ ہمیشہ وعدہ پورا کرو ۔ سر پر قرض ہو تو ادا کرو ، پورا ناپو ، پورا تولو ۔ صرف ایک خدا کی عبادت کرو ۔ اپنی دھن دولت سے غریبوں اور محتاجوں کی مدد کرو ۔ غربت اور مالداری کے امتیاز سب عارضی ہیں ۔ خدا کے نزدیک کالے اورگورے ، امیر اور غریب ، آقا اور غلام ، حبشی اور عرب سب برابر ہیں اور اصل بڑائی مال و دولت سے نہیں بلکہ نیکی اور تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے'' ۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ کے کلمۂ طیبہ میں ساری اسلامی تعلیم کا نچوڑ ہے ۔ اس لیے جو بھی آپؐ کی تعلیمات سے متاثر ہوتا اور مسلمان ہونا چاہتا تو اسے یہ کلمہ پڑھایا جاتا تھا ۔ اب بھی جو مسلمان ہوتا ہے اسے سب سے پہلے یہ کلمہ پڑھایا اور سکھایا جاتا ہے ۔ اس اصول کو سمجھ لینے کے بعد قدرتی طور پر انسان کی طبیعت میں برائی سے نفرت اور نیکی کی

طرف رغبت پیدا ہو جاتی ہے ۔

کلمۂ طیبہ کی تعلیم کے دو حصے ہیں :

(۱) صرف اللہ کی عبادت کا اقرار کرنا اور اس کے سوا کسی کو معبود نہ ماننا ۔

(۲) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو اللہ کا نبی اور رسول ماننا ۔

۸ ۔ مخالفت

تین سال تک اسلام کی تبلیغ خاموشی سے چھپ چھپ کر ہوتی رہی ۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کو حکم ہوا کہ اسلام کی دعوت عام کا اعلان کر دیا جائے ۔ چنانچہ آپؐ نے مکّہ مکرمہ کی ایک پہاڑی صفا پر کھڑے ہو کر لوگوں کو پکارا ۔ عرب کے دستور کے مطابق اس آواز کو سن کر ہر قبیلے کے لوگ جمع ہوگئے ۔

کوہ صفا پر آپؐ نے ان لوگوں سے دریافت کیا ''اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے سے ایک بھاری لشکر تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم یقین کر لو گے'' ؟ انھوں نے کہا ''یقیناً ، کیونکہ آپؐ ہمیشہ سچ ہی بولتے رہے ہیں'' ۔

اس پر آپؐ نے فرمایا ''میں کہتا ہوں کہ اگر تم لوگوں

نے بتوں کو چھوڑ کر ایک خدا کے سامنے جھکنا نہ سیکھ
اور برائیوں سے الگ نہ ہوئے تو تم پر بڑی آفت آئے گی" - یہ
بات سننے کو وہ تیار نہ تھے - قریش کے غصے کا کوئی ٹھکا
نہ رہا - ابولہب تو مارے غصے کے لال پیلا ہو رہا تھا
جھلا اٹھا اور کہنے لگا "تیرا برا ہو - کیا تو نے اس لیے
ہمیں بلایا تھا" ؟ - دوسرے بت پرست بھی باتیں بناتے او
ناک بھوں چڑھاتے وہاں سے چلے گئے -

اب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کھلم کھلا
بت پرستی اور زر پرستی کی برائیاں کرنی شروع کر دیں - جہاں
موقع ملتا لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے - مسلمانوں کی تعدا
بھی آہستہ آہستہ بڑھنے لگی - مکہ کے بت پرست سرداروں نے
یہ حال دیکھا تو انھوں نے مسلمانوں کو ستانا شروع کر دیا

اسلام دشمنی میں ابولہب ، ابوجہل اور ابوسفیان سب
سے آگے تھے - یہ لوگ آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے
راستے میں کانٹے بچھا دیتے - آپ نماز پڑھنے کھڑے ہوتے
گلی کوچے سے گزرتے تو آپ پر آوازے کستے اور لوگوں میں
حضور اکرم صلّی اللہ وآلہ وسلّم کو شاعر ، جادوگر او
دیوانہ مشہور کرتے -

آپ ان سختیوں کو خاطر میں نہ لائے اور اپنا کام کر

رہے ۔ حضور صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم جس سے ملتے اور جو آپؐ سے ملنے آتا-اس کے سامنے خدا کے احکام رکھتے اور اسے مسلمان ہونے کی دعوت دیتے ۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جو نیک اور اچھی طبیعت کا انسان آپؐ کے قریب آتا وہ فوراً ایمان لے آتا ۔ اس پر قریش گھبرا اٹھے ۔

ایک روز شہر مکّہ کے مشرک سردار وفد کی صورت میں آپؐ کے چچا حضرت ابوطالب کے پاس آئے اور کہا : ''تمھارا بھتیجا ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتا ہے اور ہمارے باپ دادا کو گمراہ بتاتا ہے ۔ اب یا تو تم درمیان سے ہٹ جاؤ تاکہ ہم اس سے نپٹ لیں یا تم بھی میدان میں آ جاؤ تاکہ ہمارا اور تمھارا فیصلہ ہو جائے'' ۔

حضرت ابوطالب حالات کی نزاکت کو بھانپ گئے ۔ انھوں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کو بلا کر کہا ''پیارے بھتیجے مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈال جو میں اٹھا نہ سکوں'' ۔

چچا کے منہ سے یہ الفاظ سن کر آپؐ نے فرمایا : خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند رکھ دیں تب بھی میں اپنے کام سے باز نہ آؤں گا ۔

قریش نے اس چال کی ناکامی کے بعد ایک اور چال چلی کہ اپنے ایک سردار عُتبہ کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے

پاس بھیجا ۔ اس نے آ کر کہا :

''اے محمد ! صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم ، قوم میں پھوٹ ڈالنے سے کیا فائدہ ؟ اگر تم مکّہ کی سرداری چاہتے ہو تو ہم قبول کرنے کو حاضر ہیں ۔ اگر کسی بڑے گھرانے میں شادی کرنے کے خواہش مند ہو تو یہ بھی ہوسکتا ہے ۔ اگر دولت چاہتے ہو تو ہم اس کے لیے بھی تیار ہیں ۔ مگر تم اس کام سے باز آ جاؤ'' ۔

قریش کو خیال تھا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم پر اس تجویز کا جادو چل جائے گا اور آپؐ کسی نہ کسی لالچ میں آ جائیں گے ۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں جو کچھ کہا وہ عُتبہ کی توقع کے بالکل خلاف تھا ۔ وہ اس جواب سے بے حد متاثر ہوا ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی چند آیات اس کو سنائیں ان آیات کا ترجمہ یہ ہے :۔

''میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا رحم کرنے والا نہایت مہربان ہے ۔

یہ کتاب رحمٰن و رحیم نے نازل فرمائی ہے ۔ اس کی آیات عربی میں ہیں ۔ یہ صاف طور پر تمھاری سمجھ میں آ سکتی ہیں ۔ ان میں ان لوگوں کے لیے ہدایات ہیں جو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں ۔ اس میں بشارتیں ہیں اور عذاب کی وعیدیں ہیں ۔

لیکن اکثر لوگ منہ پھیر لیتے ہیں اور اس پر کان نہیں دھرتے اور کہتے ہیں کہ جس بات کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی - ہمارے کان بھرے ہیں - تیرے اور ہمارے درمیان ایک پردہ ہے - اس لیے جیسا تو بہتر سمجھتا ہے ویسا ہی کیے جا - ہم تو اپنے ہی خیالات کے مطابق عمل کریں گے،، - (حٰم - السجدہ)

کلام الٰہی سن کر عُتبہ بن ربیعہ کا دل دہل گیا - واپس آ کر اس نے قریش سے کہا ''بھائیو ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کلام پڑھتے ہیں وہ نہ شاعری ہے نہ جادو - میری رائے یہ ہے کہ تم ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو - اگر وہ کامیاب ہو کر عرب پر غالب آگئے تو یہ ہماری عزت ہے ورنہ عرب کے لوگ خود ان کا خاتمہ کر دیں گے،، -

قریش بھلا ایسی نصیحت پر کہاں عمل کر سکتے تھے - وہ مخالفت سے کسی صورت باز نہ آئے - ان کے مظالم کی رفتار اسی انداز سے بڑھ رہی تھی جس رفتار سے مسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی تھی - حضرت ابوبکر رض اور حضرت عثمان رض جیسے سرداروں پر تو قریش کا کوئی بس نہ چلتا تھا مگر انھوں نے غریب مسلمانوں کو خاص طور پر اپنے مظالم کا نشانہ بنانا شروع کر دیا -

قریش نے کمزور مسلمانوں کی ایذا رسانی کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے ۔ دوپہر کے وقت صحرا کی تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیتے اور سینے پر آگ جیسے گرم پتھر رکھ دیتے ، بعض کو رسی سے باندھ کر گرم ریت پر گھسیٹتے اور بعض کو کوڑوں سے پیٹتے ۔ حضرت بلال ، حضرت صہیب ، حضرت خبابؓ حضرت یاسر (رضی اللہ عنہم) اور کئی اور اصحابؓ کو اسی قسم کی اذیتیں دیں ۔ مگر یہ بزرگ ایسے سچے اور پکے مسلمان تھے کہ جوں جوں سزائیں ملتی تھیں خدائے واحد اور رسول کریمؐ پر ان کا ایمان اور پختہ ہوتا جاتا تھا ۔

۹ ۔ مخالفت کی وجوہات

قریش نے اسلام کی مخالفت کیوں کی ؟ انھوں نے حضرت رسول اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کا کلمہ پڑھنے سے کیوں گریز کیا ؟ اس کی کئی وجوہات ہیں ۔

اصل بات یہ ہے کہ کوئی شخص بھی اپنے خیالات کو آسانی سے نہیں بدلتا ۔ ایک مرتبہ انسان جو عقیدہ بنا لے اسے چھوڑنا اس کے لیے آسان نہیں ہوتا ۔

علّامہ اقبال نے اس خیال کو ایک شعر میں یوں بیان کیا ہے :

آئین نو سے ڈرنا ، طرز کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

یہ بات جاہلوں کے بارے میں اور بھی صحیح ہے - وہ
پ دادا کے عقیدوں پر ایسے فریفتہ ہوتے ہیں کہ ان کی خاطر
دم مرنے مارنے پر تیار رہتے ہیں -

عرب کئی پشتوں سے بتوں کو پوجتے اور ان سے مرادیں
انگتے چلے آ رہے تھے - جب حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ
سلّم نے یہ تعلیم دی کہ بت محض پتھر کی بے جان مورتیاں
ں جو نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان ، تو وہ
ھڑک اُٹھے - اس بات کو مان لینے سے ان کے باپ دادا بھی
گمراہ ثابت ہوتے تھے -

ابوجہل نے اپنی آخری عمر میں بارہا کہا کہ حضرت
مدؐ جو تعلیم دیتے ہیں وہ سچ ہو ، تو بھی میں اپنے باپ دادا
کے مذہب سے کیسے منہ موڑوں ؟

اگرچہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم قریش کے
باعزت قبیلے سے تھے - مگر ایک تو آپؐ یتیم تھے - دوسرے
آپؐ کی مالی حالت بھی کچھ زیادہ اچھی نہ تھی - قریش کے
دولت مند اور بڑے بڑے تاجر حضور اکرمؐ کو ایک غریب
انسان تصور کرتے تھے - اپنی دولت کا غرور انھیں اس بات
کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ وہ ایک غریب اور یتیم کو اپنا رہنما
مان کر اپنی دولت اس کی مرضی کے مطابق خرچ کریں -

مخالفت کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ اسلام مساوات اور
اخوت کی تلقین کرتا ہے - جس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا کے
سب انسان برابر ہیں - اسلام نسل ، رنگ ، قومیت اور دولت
وغیرہ کے تمام امتیاز مٹا دینے کی تعلیم دیتا ہے - دوسری طرف
قریش کے گھروں میں غلاموں اور لونڈیوں کی قطاریں بندھی
ہوئی تھیں - بھلا وہ اس تعلیم کو پھیلنے کا کیوں موقع دیتے
وہ عیش و عشرت کے دلدادہ تھے اور اس کو باقی رکھنے
کے لیے انھوں نے اسلام سے ٹکرا جانا ضروری سمجھا -

ایک اور بڑی وجہ یہ تھی کہ قریش کعبے کے متولی
تھے - اس حیثیت سے تمام ملک میں ان کا سکہ بیٹھا ہوا تھا
ہر سال عرب کعبے کی زیارت کو آتے تھے - ان کے نذرانوں
سے قریش کو بہت آمدنی تھی - اب انھیں یہ فکر دامن گیر ہوئی
کہ اگر اسلام پھیل گیا اور بت پرستی مٹ گئی تو ان کے یہ
حلوے مانڈے بھی ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں گے اور کمائی
ہوئی دولت کار خیر میں صرف کرنے پڑے گی -

قریش کی مخالفت کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اسلام
کی اشاعت کی وجہ سے انھیں اپنی سیادت اور قیادت خطرے میں
نظر آتی تھی - جاہلی رسوم و روایات کی بنا پر انھوں نے
طرح طرح کے امتیازات حاصل کر رکھے تھے - وہ خود حاکم اور

قانون ساز تھے اور خود ہی مفتی اور قاضی - غرض مذہبی اور سیاسی ہر طرح کی سیادت ان کے قبضے میں تھی - اسلام انسانوں پر انسانوں کی اس حکمرانی کے خاتمے کا پیغام تھا اور خدا کی زمین پر خدا کے قانون کی حاکمیت کا علمبردار تھا - ظاہر ہے کہ جاہلی اور قبائلی عصبیت کے نشے میں سرمست قریش سردار اس پیغام کو قبول نہ کر سکتے تھے جس سے انھیں اپنے امتیازات سے دستبردار ہوکر قانون اسلامی کا تابع ہونا پڑتا - چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب تک قریش میں دم خم رہا وہ برابر اسلام کی مخالفت کرتے رہے -

۱۰ - اشاعت اسلام

مکہ کے قریش نے اسلام کی مخالفت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی - وہ برابر مخالفت کرتے رہے - انھوں نے حضور ﷺ کو بہت دکھ دئے اور آپ؏ کے جان نثار صحابہ؄ کو حد درجہ ستایا مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنا کام کرتے رہے اور مسلمانوں کی تعداد تھوڑی تھوڑی کر کے برابر بڑھتی رہی -

شروع شروع میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا ان کے مبارک ناموں کا پہلے ذکر ہو چکا ہے - عورتوں میں آپ؏ کی

بیوی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا، مردوں میں آپ ؐ کے دوست حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، بچوں میں حضرت علی رضؓ اور غلاموں میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے جنھوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔

ان کے بعد اسلام قبول کرنے والوں میں مندرجہ ذیل بزرگوں کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حضرت ارقم، حضرت عثمانؓ، حضرت ابوذرؓ غفاری، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت طلحہ، حضرت صہیب رومی، حضرت امّ الفضل فاطمہ، حضرت عمّار، حضرت عبیدہ بن حارث حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم۔

ان حضرات میں سے تین صحابہ رضی اللہ عنہم کے اسلام قبول کرنے کے حالات ذرا تفصیل سے پیش کیے جاتے ہیں جن سے اس دور کے حالات پر خوب روشنی پڑتی ہے:-

(۱) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے والوں کی فہرست میں پانچویں یا چھٹے بزرگ ہیں۔ مکے سے دور شام جانے والی سڑک کے کنارے ایک بستی میں رہتے تھے۔ وہ قبیلہ غفار سے تعلق رکھتے تھے جس کا مشغلہ لوٹ

تھا مگر خدا نے ابوذر غفاری کو سمجھ دی ۔ انھوں نے
سی مسافر کی زبانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی دعوت
خبر سنی ۔ تصدیق اور تحقیق کے لیے پہلے بھائی کو بھیجا ۔
پھر خود مکہ مکرمہ میں آئے ۔

مکہ پہنچے تو خانہ کعبہ میں مسافروں کی طرح جا
ٹھہرے ۔ کسی سے ذکر نہ کیا ۔ دو چار یا دس بیس دن
نہیں، پورے چالیس دن گزر گئے ۔ کھانے کو کچھ نہ رہا تو زمزم
کے پانی پر گزارا کرتے رہے مگر کسی سے کوئی سوال نہ کیا ۔

دو ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ اس مسافر کو گھر
لے گئے اور وہی آپ کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلّم کی خدمت میں لے گئے ۔ حضرت ابوذرؓ غفاری
رضی اللہ عنہ نے دین حق کی تعلیم سنی اور فوراً کلمہ شہادت
پڑھ لیا ۔

(۲) حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
و آلہ وسلّم کے چچا اور دودھ شریک بھائی تھے اور عمر میں
آپؐ سے کچھ بڑے تھے ۔ وہ بڑے بہادر تھے ۔ مکے میں ان
کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی ۔ شکار ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا ۔

اس زمانے میں ابوجہل آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دق کرنے میں پیش پیش تھا - ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بازار سے گزر رہے تھے - ابوجہل نے آپؐ کی شان میں گستاخیاں کیں - حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ایک لونڈی یہ سارا واقعہ دیکھ رہی تھی - اس کے دل پر چوٹ لگی -

حضرت حمزہؓ شکار سے لوٹے تو لونڈی نے سارا ماجرا ان سے کہہ سنایا - سنتے ہی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا خون کھولنے لگا - فوراً ابوجہل کی تلاش میں نکلے - اس وقت وہ کعبے میں بیٹھا ہوا تھا - حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسے للکارا اور اس کے سر پر کمان سے ایک ضرب لگائی -

ابوجہل ان کو دیکھ کر چپکا ہو رہا - حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اسی وقت حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مختصر سی گفتگو کے بعد مسلمان ہو گئے -

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ بھی بہت عجیب ہے - ان کا شمار مکے کے بہادروں اور اسلام

بڑے دشمنوں میں ہوتا تھا ۔ حضور اکرم ﷺ اکثر دعا
مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ ! عمر اور ابوجہل میں سے کسی
ایک کو اسلام کی توفیق بخش اور اس سے اسلام کو تقویت
عطا فرما ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دن غصے سے بھرے
رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے ارادے سے نکلے ۔ راستے میں
ایک واقف مل گیا اس نے کہا "عمر یہ تلوار لگائے کہاں
جا رہے ہو ؟" انھوں نے جواب دیا "پیغمبر اسلام کا خاتمہ
کرنے کو ۔

اس نے کہا : "پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو ۔ پیغمبر اسلام
سے بعد میں نپٹنا ۔" عمر نے حیرانی سے دریافت کیا "میرے
گھر میں کیا ہوا ؟" اس نے جواب دیا "تمھاری بہن اور بہنوئی
(فاطمہ اور سعید) تک تو مسلمان ہوگئے ہیں ۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جوشیلی طبیعت کے لیے اتنا
سننا ہی کافی تھا فوراً بہن کے ہاں پہنچے ۔ اتفاق سے بہن اور بہنوئی
اس وقت قرآن مجید پڑھ رہے تھے ۔ یہ دیکھ کر ان کے تن بدن
میں آگ لگ گئی ۔ بغیر کچھ کہے سنے بہنوئی پر پل پڑے ۔

بہن بیچ بچاؤ کے لیے آگے آئی تو اسے بھی زخمی کرڈالا ۔

اس پر بہن نے کہا "عمر ! تم جو چاہو کرو ۔ ہم اسلام چھوڑنے سے رہے ۔" پیشانی سے خون پونچھتی ہوئی بہن سے یہ الفاظ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سناٹے میں آ گئے اورکچھ دیر رکے ، اس کے بعد بہن سے کہا : "بھلا میں بھی تو دیکھوں تم لوگ کیا پڑھ رہے تھے ؟" بہن نے ناپاک ہاتھوں میں اللہ کا کلام پاک دینے سے معذرت چاہی اور خود چند آیات تلاوت فرمائیں ۔ اللہ کا کلام سن کر عمر رضی اللہ عنہ کی دنیا ہی بدل گئی ۔ اسی وقت حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے اور اسلام قبول کر لیا ۔

اس واقعے سے مسلمانوں میں جوش و خروش کی لہر دوڑ گئی اور انھوں نے خوشی کے مارے نعرۂ تکبیر "اللہ اکبر" بلند کیا اور یہ غالباً سب سے پہلا نعرہ تھا جس سے مکے کی گلیاں گونج اٹھیں ۔

۱۱ ۔ ھجرت حبشہ

جوں جوں لوگ اسلام قبول کر رہے تھے ، کافروں

غصہ بڑھتا جا رہا تھا ۔ یہاں تک کہ انھوں نے مسلمانوں کا جینا دو بھر کر دیا ۔ مجبور ہو کر نبوت کے پانچویں برس سولہ مرد اور عورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی اجازت سے مکہ چھوڑ کر حبشہ چلے گئے ۔ یہ اسلام کے لیے پہلی ہجرت تھی ۔ اس سے بھی کافروں کے غصے کی آگ ٹھنڈی نہ ہوئی ۔ وہ دوسرے مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھاتے رہے اور انھیں بھی دھوکا دے کر واپس بلا لیا ۔

نبوت کے ساتویں برس ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں دوبارہ حبشہ کو ہجرت کر گئے ۔ حبشہ کا بادشاہ نجاشی بہت رحم دل اور منصف مزاج تھا ۔ اس نے ان مسلمانوں کو بڑے امن و آرام سے رکھا ۔ مگر قریش پیچھا چھوڑنے والے کہاں تھے ؟ انھوں نے اپنے نمائندے بادشاہ حبشہ کی طرف روانہ کیے اور کہلا بھیجا کہ یہ مسلمان ہمارے مجرم ہیں اور تمھارے دین عیسوی کے بھی مخالف ہیں ، اس لیے انھیں ہمارے حوالے کر دو ۔ اس پر نجاشی نے اصل حال دریافت کرنے کے لیے مسلمانوں کو بلایا ۔ ہجرت کرنے والوں میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ بھی تھے ۔ سب نے انھیں اپنا نمائندہ بنایا ۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر بادشاہ کے

سوالات کے جواب میں اس کے سامنے جو تقریر کی وہ اسلام کی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتی ہے - اس کے خلاصہ یہ ہے :-

انھوں نے فرمایا :-

"اے بادشاہ ہم لوگ جاہلیت میں غوطے کھا رہے تھے - ہم پتھر کی تراشی ہوئی اور ہاتھوں سے بنائی ہوئی مٹی کی مورتیوں کے آگے جھکتے تھے - ہم مردار اور حرام کھاتے تھے - ہم بے حیائیوں میں گھرے ہوئے تھے - ہم رشتوں کو توڑتے تھے - اپنے پڑوسیوں کے لیے دکھ اور رنج کا باعث تھے - زور والے کمزوروں پر ظلم کرتے تھے - اچانک ہم میں اللہ نے اپنا پیغمبر مبعوث کیا - ہم اس کے خاندان کو بھی جانتے ہیں - اس کی سچائی، ایمانداری اور پارسائی کا بھی سب کو تجربہ ہے - اس نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا - برے کاموں سے نفرت دلائی اور جھوٹے خداؤں سے تعلق توڑ کر ایک خدا کے سامنے جھکنے کی تعلیم دی -

اے بادشاہ ! اس نے ہم سے اصرار کیا کہ جس کی امانت ہو اس کو واپس کر دیں - رشتہ داروں کے حقوق ادا کریں - پڑوسیوں سے اچھا سلوک کریں -

اللہ نے جن باتوں سے منع کیا ہے اور جن کے
کرنے سے روکا ہے ان سے رک جائیں - بے شرمی
اور بے حیائی کے کاموں کو چھوڑ دیں - اس نے
ہمیں نصیحت کی کہ ہم جھوٹ نہ بولیں - کسی
کو دھوکا نہ دیں - یتیموں کا مال نہ کھائیں اور
محتاجوں کی ہر ممکن امداد کریں -''

جعفر رضی اللہ عنہ کی یہ سچی تقریر سن کر بادشاہ سناٹے
میں آگیا اور دربار میں خاموشی چھا گئی -

بادشاہ نے کہا : تمھارے پیغمبرؐ پر جو کلام اترا ہے
کچھ سناؤ - حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کی چند
آیات پڑھیں ، جن میں یہ ذکر تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
اللہ کے سچے نبی اور اللہ کے بندے تھے - نجاشی بہت متاثر ہوا
اور قریش کے سفیروں سے کہا : ''مجھے ان کے دین میں سچائی
نظر آتی ہے - میں ایسے لوگوں کو تمھارے حوالے نہیں کر سکتا''-

قریش کے سفیر اپنا سا منہ لے کر واپس آگئے اور مکہ
پہنچ کر مسلمانوں پر مزید ظلم و ستم کے منصوبے بنانے لگے -

۱۲ - شعب ابی طالب

اب پیغمبر اسلامؐ کے پاس حضرت ابوبکر ، حضرت

حمزہ ، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم جیسے با اثر اور بہادر قریش بھی جمع ہو چکے تھے - ان حضرات کے مسلمان ہونے سے مسلمانوں کے دل بڑھ گئے - اب وہ آزادانہ نمازیں ادا کرتے اور دوسرں تک توحید کا پیغام پہنچاتے تھے - دوسری طرف قریش شدید مخالفت پر تل گئے - انھوں نے رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور آپؐ کے پورے خاندان کے بائیکاٹ کی تدبیر سوچی - یہ نبوت کا ساتواں سال تھا -

تمام مخالف اور دشمن اسلام قبیلوں کے سردار اکٹھے ہوئے اور انھوں نے ایک معاہدے پر دستخط کر کے اسے کعبے میں لٹکا دیا - معاہدہ یہ تھا کہ آج سے تمام قبیلے بنو ہاشم اور عبدالمطلب کے گھرانے سے اپنے تمام تعلقات توڑتے ہیں - آئندہ کوئی شخص اس گھرانے سے کوئی لین دین نہ کرے گا - ان کے ساتھ بیاہ شادی کے تعلقات پیدا نہ کرے گا حتٰی کہ کھانے پینے کو بھی انہیں کچھ نہ دیا جائے گا -

حضرت ابوطالب ہاشمی قبیلے میں ایک معزز حیثیت کے مالک تھے - وہ سمجھ گئے کہ قریش کی نیت خراب ہے اور وہ کوئی زبردست حملہ کرنا چاہتے ہیں - چنانچہ گھرانے کے تمام افراد کو لے کر وہ ایک گھاٹی میں چلے گئے - یہ گھاٹی شعب ابی طالب کے نام سے مشہور ہے - مکے کے قریب یہ ایک

لمبی اور تنگ گھاٹی تھی جسے پہاڑی دیواروں نے شہر سے جدا کر رکھا تھا ۔ اس میں داخل ہونے کے لیے ایک چھوٹے سے دروازے کے سوا کوئی اور راستہ نہ تھا ۔

حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم خاندان کے لوگوں اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ یہاں کوئی تین سال رہے ۔ یہ انتہائی مصیبت اور تکلیف کا زمانہ تھا ۔ کھانے پینے کا جو سامان ساتھ لے کر گئے تھے وہ بہت جلد ختم ہو گیا ۔ باہر سے سامان حاصل کرنے کے تمام راستے بند تھے ۔ بھوک پیاس کے مارے بلکتے ہوئے بچوں کی چیخ پکار دور دور تک سنائی دیتی تھی ۔ اس سے پہاڑوں کے دل دہل جاتے تھے ۔ مگر سنگ دل کافروں کا دل نہ پسیجا ۔

اس ظلم اور ناانصافی کو جب پورے تین سال گزر گئے تو کفار میں سے ہی بعض لوگوں نے اس معاہدے کے خلاف آواز بلند کی کہ بلا وجہ بےگناہ لوگوں کو عذاب میں ڈال رکھا ہے ۔

آخر ایک دن ہشام بن عمرو آگے بڑھا ۔ وہ زُہیر بن ابی اُمیّہ اور چند دوسرے سرداروں کو اپنا ساتھی بنانے میں کامیاب ہو گیا ۔ انھوں نے کعبے میں جا کر بائیکاٹ کا معاہدہ

پھاڑ ڈالا - اس طرح مسلمانوں کو اور رسول اللہ ﷺ کے خاندان کو شہر میں آنے جانے کی آزادی ہو گئی اور لوگ ان سے لین دین کرنے لگے -

شعب ابی طالب کا یہ زمانہ اس قدر تکلیف میں گزرا کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو کبھی نہ بھولا -

۱۳ - عام الحزن

حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم شعب ابی طالب سے باہر آئے تو کچھ آرام کا سانس لیا - تبلیغ کا کام بالکل بند تھا اور اسلام کی اشاعت رکی ہوئی تھی - چین کا سانس لیے ابھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ دو صدمے اور بھی شدید آئے جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بہت رنج ہوا - یعنی نبوت کے دسویں سال یکے بعد دیگرے آپ کے چچا حضرت ابوطالب اور وفادار بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا - اس سال کو جس میں ان دونوں کا انتقال ہوا، اسلام کی تاریخ میں عام الحزن کہا جاتا ہے یعنی رنج وغم کا سال -

حضرت ابوطالب آپ کے محسن چچا تھے - انہوں نے اپنے

چچوں سے زیادہ محبت کے ساتھ آپؐ کی دیکھ بھال کی تھی - بچپن سے آپؐ کی پرورش اور تربیت کا ذمہ لیا تھا - ان کی بیوی، یعنی حضرت علیؓ کی والدہ بھی جن کا نام فاطمہ بنت اسد تھا، اپنے بھتیجے پر بے حد مہربان تھیں -

حضرت ابوطالب نے ہر سردوگرم میں حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کا ساتھ دیا اور زندگی بھر مسلمانوں کی حمایت کی- ان کی وجہ سے کفار حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم پر آسانی سے ہاتھ نہیں ڈال سکتے تھے -

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی مونس و غمگسار تھیں - ان کی وفات سے آپؐ کی گھریلو زندگی میں بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا - حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا صرف مونس و غمگسار ہی نہ تھیں بلکہ ان کی ذات میں آپؐ تسکین کا سامان پاتے تھے - آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم آخری وقت تک فرمایا کرتے تھے کہ "خدیجہ (رضی اللہ عنہا) وہ تھیں کہ جب کسی نے مجھے نہ مانا تھا، انھوں نے میری رسالت اور سچائی کی گواہی دی - جب لوگ کفر کرتے تھے، وہ ایمان لے آئیں - جب سب میرے خون کے پیاسے تھے انھوں نے میری مدد کی"۔

قریش کے ظالموں کو حضرت ابوطالب کے رعب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خاطر سے اب تک رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اب جب یہ دونوں بزرگ ہستیاں اس دنیا سے رخصت ہوگئیں، ان کے حوصلے بڑھے اور انھوں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھ سخت بے ادبی سے پیش آنا شروع کر دیا۔

ایک دفعہ آپؐ کسی کوچے سے گزر رہے تھے کہ کسی کافر نے سر مبارک پر خاک ڈال دی۔ آپؐ اسی طرح گھر آئے۔ آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پانی لے کر آئیں۔ وہ سر دھوتی تھیں اور روتی جاتی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا "میری لخت جگر رو نہیں خدا تیرے باپ کو بے سہارا نہ چھوڑے گا۔"

ایک دفعہ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم صحن کعبہ میں نماز ادا کر رہے تھے۔ قریش کے سردار بھی وہاں جلسہ جمائے بیٹھے تھے۔ آپؐ کو نماز پڑھتے دیکھ کر کہنے لگے: "اگر کوئی اونٹنی کی اوجھڑی لا کر اس کی گردن پر رکھ دے تو کیسا مزا رہے"۔ ایک شریر نے ایسا ہی کیا۔ اس بوجھ سے آپؐ کی پیٹھ دب گئی۔ کوئی شخص پاس کھڑا کافروں کی یہ حرکت دیکھ

رہا تھا، اس نے جا کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس کی خبر کی ۔ وہ دوڑی آئیں اور اس گندگی کو ایک نیک دل صحابی کی مدد سے بمشکل آپؐ سے آتارا اور آپؐ زمین سے سر اٹھانے کے قابل ہوئے ۔

ایک دفعہ ایک سنگ دل نے حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی گردن میں چادر کا پھندا ڈال کر چاہا کہ گلا گھونٹ دے ۔ حضرت ابوبکرؓ نے دوڑ کر آپؐ کو بچا لیا اور فرمایا ''کیا تم ایک شخص کی جان صرف اس بات پر لینا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے ؟''۔

۱۴ ۔ واقعۂ معراج

مکّی زندگی کا خاص واقعہ معراج کا ہے ۔ ایک رات حضورؐ سو رہے تھے کہ حضرت جبرائیلؑ تشریف لائے اور انھوں نے بتایا کہ آج آپؐ کو آسمانوں کی سیر اور دوزخ و جنت کا مشاہدہ کرایا جائے گا ۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ایک جلوہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو ''معراج'' کی صورت میں دکھایا ۔ فرشتہ آپؐ کو کعبے سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) لے گیا اور وہاں

سے آپؐ آسمانوں پر گئے - مختلف آسمانوں کی سیر کی - جنت اور دوزخ کے مقامات دیکھے اور خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کیا - یہ واقعہ نبوت کے بارھویں سال کا ہے -

قرآن حکیم میں معراج النبیؐ کا ذکر دو جگہوں پر ہوا ہے - پندرھویں پارے کی ابتدا یوں ہے :

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی — پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو راتوں رات

بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ — مسجد حرام (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس)

الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ — تک سیر کرائی - جس کی اطراف

الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَکْنَا — کو ہم نے برکت بخشی ہے تا کہ ہم اسے اپنی نشانیاں

حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا — دکھائیں - (بنی اسرائیل : ۱)

دوسری جگہ پارہ ۲۷ کی سورۂ نجم میں آسمانوں کی سیر کا ذکر ہے -

معراج کے لفظی معنی بلندی کے ہیں - حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلندیوں کی سیر کی تھی - اس لیے اس واقعے کو معراج نبوی کا واقعہ کہتے ہیں -

۱۵ ۔ طائف کا سفر

مکّے سے مشرق کی جانب قریباً چالیس میل کے فاصلے پر طائف کی ایک مختصر مگر با رونق آبادی ہے۔ آپؐ نے جب مکّے والوں کی یہ حالت دیکھی کہ ان کے دل اسلام کی طرف سے سخت ہو چکے ہیں اور نیکی کی بات نہیں سنتے تو آپؐ نے طائف جا کر وہاں کے رئیسوں اور غریبوں کو اسلام کی دعوت دینے کا فیصلہ کیا ۔

اس سفر میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے آزاد کردہ غلام جناب زیدابن حارثہؓ آپؐ کے ساتھ تھے ۔ جب حضرت رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے طائف والوں کو دین حق کا پیغام سنایا تو انھوں نے آپؐ کی بات ماننے سے انکار کر دیا بلکہ ان میں جو شرارت پسند لوگ تھے انھوں نے لونڈوں کو آپؐ کے دق کرنے پر آبھارا ۔ یہ لوگ سڑک کی دونوں طرف کھڑے ہو گئے اور جب حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم وہاں سے گزرے تو آپؐ پر گرد آڑائی اور پتھر برسائے حتّی کہ آپؐ کے پاؤں لہولہان ہو گئے ۔

حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم درد کی وجہ سے کہیں بیٹھ جاتے تو وہ اُٹھا دیتے - پھر پتھر مارتے اور بد زبانی کرتے - آپؐ بیٹھنے کی کوشش کرتے تو وہ پھر اُٹھا دیتے - آخر آپؐ نے ایک باغ میں پناہ لی - خون بہہ کر جوتوں میں جم چکا تھا یہاں تک کہ پاؤں سے جوتوں کا اُتارنا مشکل ہو گیا -

حدیث شریف میں ہے کہ اس بے کسی کے عالم میں خدا کا فرشتہ خدا کا پیغام لایا کہ اگر آپؐ کہیں تو طائف والوں پر ان پہاڑوں کو گرا دیا جائے کہ وہ پس کر رہ جائیں، - حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی عظمت اخلاق کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا "خدایا ! ایسا نہ کیجیو - شاید ان کی نسل سے کوئی اسلام کو ماننے والا پیدا ہو جائے "۔

طائف کے تکلیف دہ سفر نے آپؐ کے مضبوط ارادے پر کوئی اثر نہ کیا اور آپؐ نے فیصلہ کیا کہ ایک ایک قبیلے میں پھر کر خدا کا پیغام سنائیں گے -

۱۶ - بیعت عَقَبہ

مدینے میں اوس اور خزرج دو قبیلے تھے - ان لوگوں نے

شہر کے یہودیوں سے آنے والے نبی کا ذکر کئی بار سنا تھا ۔
ہجرت سے تین سال پہلے مدینے سے کچھ آدمی حج کے لیے مکّہ
مکرّمہ میں آئے ۔ ان میں خزرج کے آدمی بھی تھے ۔ حج کے
موقع پر جب خزرج کے لوگوں نے حضور اکرم صلّی اللہ علیہ
و آلہ وسلّم کا وعظ سنا تو وہ بے حد متاثر ہوئے ۔ وہ جانتے
تھے کہ یہود ایک ایسے ہی رسول کے منتظر ہیں ۔ یہ آدمی
حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم سے عقبہ کے مقام پر ملے ۔
عقبہ مکّے کے قریب ایک پہاڑی کا نام ہے ۔ یہاں آپؐ نے
مدینے کے لوگوں کو خدا کا کلام سنایا ۔

ان لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر کہا
"یہ تو وہی پیغمبر معلوم ہوتا ہے جس کی بشارت تورات میں
آئی ہے ۔ آؤ ہم اس رسولؐ کو تسلیم کرنے میں یہودیوں سے
پہل کریں ۔" چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے ۔

دوسرے سال یہ مسلمان اوس اور خزرج کے چھ دوسرے
سربرآوردہ نمائندے اپنے ساتھ لائے ۔ اس جگہ پر جہاں پہلے
چھ آدمی ایمان لائے تھے نئے چھ آدمی بھی حلقۂ اسلام میں
داخل ہوئے ۔ ان بارہ آدمیوں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہ
وسلّم سے جو عہد کیا اسے بیعت عقبہ اولیٰ کہتے ہیں یعنی
عقبہ کی پہلی بیعت ۔ اس کے الفاظ یہ تھے ۔

"ہم خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے - ہم چوری اور زنا کبھی نہ کریں گے - ہم اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے - ہم تہمت اور غیبت سے بچیں گے - ہم ہر اچھی بات کے لیے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کا حکم مانیں گے- ہر شادی و غم میں آپؐ کے وفادار رہیں گے۔"

ان حضرات نے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم سے درخواست کی کہ ان کے ہمراہ کوئی ایسا مسلمان بھیجا جائے جو ان کے ہاں جا کر اسلام کی تبلیغ کرے اور لوگوں تک خدائے حق کے احکام پہنچائے - آپؐ نے اس کام کے لیے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا - گویا حضرت مصعب اسلام کے پہلے مبلغ تھے جو مکے کے باہر اسلام کی تبلیغ کے لیے نکلے - انھیں اپنے مقصد میں بہت کامیابی ہوئی اور ایک سال کے اندر اندر مدینے کے کئی گھرانے مسلمان ہو گئے -

اگلے سال جب حج کا زمانہ آیا تو یثرب کے مزید بہت آدمی آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم سے ملنے آئے اور رات کی تاریکی میں عقبہ کے اسی مقام پر حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ملے اور اسلام قبول کیا - اس واقعے کو بیعت عقبہ ثانیہ یعنی عقبہ کی دوسری بیعت کہتے ہیں -

اسی موقعے پر مدینے کے لوگوں نے حضور اکرم صلّی اللہ
لیہ و آلہ وسلّم اور باقی مسلمانوں کو مدینے آنے کی دعوت دی
ں وقت آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ جو اس وقت تک
لام نہ لائے تھے ، آپ کے ساتھ تھے - انہوں نے یثرب
الوں سے کہا ''محمد صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم اپنے خاندان میں
ہت معزز ہیں ، اور ان کے جان نثاروں نے دشمنوں کے مقابلے
یں ان کا ہمیشہ ساتھ دیا ہے - اب تم انھیں اپنے ہاں بلانا
اہتے ہو - اس میں کئی خطرے ہیں - اگر تم مرتے دم تک
ن کا ساتھ دے سکو تو بہتر ورنہ یہ ارادہ ترک کر دو -''

مدینے کے ایک سردار حضرت براء بن معرور رضی اللہ
نہ نے حضور سے مخاطب ہو کر عرض کی : ہم ان تمام
سائل سے آپ کی حفاظت کریں گے جن سے ہم اپنی عورتوں
ور بچوں کی حفاظت کرتے ہیں - وہ اسی قدر کہنے پائے تھے
کہ ایک سردار ابوالہیثم رضی اللہ عنہ نے کہا - یا رسول اللہ!
(صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم) یہودیوں سے ہمارے تعلقات ہیں جو
بظاہر ٹوٹ جائیں گے - ہمیں ڈر ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ جب
اسلام کو قوت اور طاقت حاصل ہو جائے تو آپ ہم کو
چھوڑ کر مکے چلے آئیں ؟ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ

وسلّم نے مسکرا کر فرمایا : "تم میرے ہو اور میں تمہا[را]
ہوں ۔ میرا مرنا جینا تمھارے ساتھ ہوگا ۔"

حضرت رسولِ اکرم صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپ[نے]
قول کو آخر دم تک پورا کیا ۔ اللّٰہ کے فضل و کرم سے آ[ٹھ]
سال بعد مکہ فتح ہو گیا ۔ مگر آپؐ نے مدینہ اور اہل مدی[نہ]
کو نہ چھوڑا ۔ مکے میں آپؐ کا گھر بار تھا اور سب سے بڑ[ھ]
کر یہ کہ یہاں اللّٰہ کا گھر اور مسلمانوں کا قبلہ بھی تھا لیک[ن]
حضور اکرم صلّی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلّم آخر دم تک مدینہ منو[رہ]
میں رہے ۔

۱۷ ۔ ھجرت کا سفر

حضرت رسولِ اکرم صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلّم کی عم[ر]
مبارک ۵۳ سال ہوچکی تھی ۔ یہ نبوت کا تیرھواں سال تھا
اب تک حضور صلّی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلّم کے ساتھی مکے [کے]
کافروں کے درمیان گھرے ہوئے تھے ۔ یہ اصحاب ہر وق[ت]
خوف و ہراس میں مبتلا رہتے ۔ انھیں چلنے پھرنے ، خیالا[ت]
کے ظاہر کرنے ، حتٰی کہ مذہبی عبادت میں بھی آزادی حاص[ل]
نہ تھی ۔ اب یثرب والوں نے انھیں ایک ایسے شہر میں آ[نے]
کی دعوت دی جہاں انھیں ہر طرح کی آزادی میسر آسکتی تھی
کھلے بندوں تبلیغ اسلام کرنے کے موقع موجود تھے ۔

حضور صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے فرمان کے مطابق صحابہ رضی اللہ عنہم نے آہستہ آہستہ اور خفیہ یثرب کو ہجرت کرنی شروع کر دی - ہر روز دو چار مسلمان اپنے گھر بار عزیز و اقارب اور مال و متاع چھوڑ کر یثرب کی راہ لیتے - تھوڑے ہی عرصے میں خاصی آبادی وہاں منتقل ہو گئی اور شہر کے مسلمانوں کے گھر خالی خالی نظر آنے لگے - اپنے وطن کو خیر باد کہہ کر اجنبی شہر کو جانا کوئی آسان بات نہیں ہوتی - دو چار دن یا سال دو سال کی بات ہو تو آدمی برداشت کر لے مگر یہاں تو نامعلوم وقت کے لیے وطن ، گھر بار ، کاروبار اور تمام پیاری یادوں کو قربان کر کے ہجرت کر جانے کا سوال تھا - جانا بھی اس طرح کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو - مگر اللہ کے ان پاک بندوں نے اللہ کی خاطر سب کچھ قبول کیا -

آنحضرت ﷺ سچے اور حقیقی رہنما تھے - آپ ﷺ اپنے ساتھیوں کو جان سے بڑھ کر عزیز رکھتے تھے - پہلے ان کے آرام اور سلامتی کی فکر کرتے ، اپنے لیے بعد میں سوچتے - آپ ﷺ خود دشمنوں کے نرغے میں رہے اور مسلمانوں کو یثرب پہنچنے کی تلقین فرماتے رہے -

دشمنوں کو مکہ میں مسلمانوں کی آبادی کے کم ہو جانے

سے اصل بات کا اندازہ ہو گیا کہ خود آنحضرت ﷺ بھی ہجرت فرمانے کا ارادہ رکھتے ہیں ۔ وہ بہت گھبرائے ۔ انہیں یہ بات پسند نہ تھی کہ محمد ﷺ اپنے جان نثاروں سمیت یہاں سے بچ کر نکل جائیں ۔ مکے والے مسلمانوں کی ہجرت پر خوش ہونے کی بجائے فکر میں ڈوب گئے ۔ انہیں اللہ کے ایک بندوں کو ستانے میں مزا آتا تھا ، اور اس سے زیادہ فکر انہیں اس بات کی تھی کہ کہیں مدینے میں اسلام کی تمام قوت ایک جگہ جمع ہو کر ان کے لیے خطرہ نہ بن جائے ۔ آج کے کمزور اور نہتے کل ایک طاقتور اور مضبوط جماعت کی صورت اختیار نہ کر لیں ۔

مکے کے تمام قبیلوں کا ایک خفیہ اجلاس ہوا ۔ اس کے اندر انہوں نے کامل رازداری کے ساتھ فیصلہ کیا کہ تمام قبیلوں سے ایک ایک جوان منتخب کیا جائے اور سب رات کی تاریکی میں مل کر حضور ﷺ پر حملہ آور ہوں اور ایک وقت اپنی تلواریں ان کے جسم میں پیوست کر دیں تا کہ آپ کا قبیلہ تمام قبائل سے بدلہ لینے کی جرأت نہ کر سکے ۔

۱۸ ۔ ہجرت کے واقعات

چہار شنبہ کا دن تھا ۔ ستمبر ۶۲۲ء کی بارہ تاریخ تھی دن ڈھل چکا تھا اور شام ہو گئی تھی ۔ مکے کے نوجوانوں کا

گروہ اندھیرے کے انتظار میں تھا ۔ جب اندھیرا ذرا گہرا ہوا تو انھوں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگے ۔

آدھر آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم اور حضورص کے جان نثار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے درمیان طے پایا کہ فلاں وقت گھر سے نکل کھڑے ہوں گے اور سیدھے مدینے کی طرف جانے کی بجائے الٹے ہاتھ جا کر " غار ثور" میں جا چھپیں گے تا کہ دشمنوں کو تلاش میں نا کامی کا منہ دیکھنا پڑے ۔

حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے پاس کچھ لوگوں کی امانتیں محفوظ تھیں ۔ دشمنی اور مخالفت کے باوجود شہر والوں کی یہ حالت تھی کہ جب کوئی چیز امانت رکھنی ہوتی تو سیدھے آپص کے پاس پہنچتے ۔

حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے دشمنوں کی وہ امانتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیں ۔ فرمایا "آج صبح یہ چیزیں ان کے مالکوں کو لوٹا دینا " پھر فرمایا "آج رات میرے بستر پر آرام کرنا تاکہ حملہ آور دشمن نوجوانوں کو میری روانگی کا علم نہ ہو سکے اور دو ایک روز بعد خود بھی گھر کے باقی عزیزوں کو ساتھ لے کر یثرب چلے آنا "۔

مکّے کے نوجوان دروازے پر کھڑے تھے - رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی - حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے دروازہ کھولا ، مٹھی بھر خاک اٹھا کر محاصرہ کرنے والوں کے سروں پر پھینک دی اور سورۃ یسٓ کی ابتدائی آیات کی تلاوت کرتے ہوئے ان کے درمیان سے گزر گئے - ان آیات میں سے آخری آیت یہ تھی :

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝ (سورہ یسٓ (٣٦) : ٩)

یعنی ہم نے ان کے سامنے اور ان کے پیچھے بھی ایک دیوار بنا دی جس سے ہم نے ان کو گھیر لیا سو وہ دیکھ نہیں سکتے -

حضور پاک صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کافروں کے بیچ میں سے گزر گئے لیکن وہ آپ کو نہ دیکھ سکے - وہ اندر جھانک کر دیکھتے تو مطمئن ہو جاتے کہ حضورص اپنے بستر پر سو رہے ہیں -

حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے بستر پر جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ چادر اوڑھے محو خواب تھے - دشمنوں نے سمجھا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم سو رہے ہیں - صبح تک انتظار کرتے رہے اور دن نکلے جب حقیقت کھلی تو سخت حیران اور نادم ہوئے - گھروں کو لوٹے تو

ناکامی اور شرمندگی ان کا مذاق آڑا رہی تھی -

حضور پاک صلّی اللہ علیہ و الہ وسلّم پروگرام کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے - انھیں ساتھ لے کر شہر سے نکلے اور رات کے اندھیرے میں ہی غار ثور کے اندر جا چھپے - صبح ہوتے ہی آپ ص کی ہجرت کی خبر سارے شہر میں آگ کی طرح پھیل گئی - قریش کے سرداروں نے ہر طرف گھوڑ سوار اور پیادہ جوان تلاش میں بھیجے اور اعلان کر دیا کہ جو شخص پیغمبر اسلام کو قتل کرنے یا زندہ واپس لانے میں کامیاب ہوگا - اسے ایک سو آونٹ بطور انعام دیے جائیں گے -

بہت سے آدمی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے - ایک مرتبہ چند گھوڑ سوار بالکل غار کے منہ پر پہنچ گئے - حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گھبرا گئے - حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و الہ وسلّم نے انھیں اس حالت میں دیکھا تو فرمایا لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (توبہ : ۴۰) گھبراؤ نہیں اللہ یقیناً ہمارے ساتھ ہے -

دو مقدس آدمیوں کا یہ قافلہ تین دن تک غار ثور میں رکا رہا - حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک غلام پہاڑوں میں بکریاں چراتے چراتے روز ادھر آتا اور چپکے سے دودھ پلا جاتا - رات کو ان کے فرزند عبداللہ رضی اللہ عنہ آتے

اور مکے والوں کے حالات اور مشوروں سے خبردار کر جاتے۔
یہاں سے چوتھے دن مدینے کو روانہ ہوئے۔ سفر زیادہ تر
رات کو ہوتا تھا۔ راستے میں کئی معجزات رونما ہوئے۔
۲۳ ستمبر ۶۲۲ء کو پیر کے دن (ربیع الاول کی ۸ تاریخ)
کو آپ‌ص یثرب سے تین میل ادھر ایک آبادی میں پہنچے،
جس کو قبا کہتے ہیں۔ یہاں مسلمانوں کے کئی گھرانے رہتے
تھے۔ کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ اس بستی میں بنو نجار قبیلے
کے سردار تھے۔ انھوں نے حضورص کو قبا میں ٹھہرنے کی
دعوت دی۔

حضور صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے یہ دعوت قبول کر لی اور
دو ہفتے کے قریب یہاں قیام فرمایا۔ اس دوران میں
حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے
اہل وعیال سمیت قبا پہنچ گئے۔ یہاں حضور اکرم صلّی اللہ علیہ
و آلہ وسلّم نے اپنے دست مبارک سے ایک چھوٹی سی مسجد
کی بنیاد رکھی جس کا نام "مسجد قبا" ہے۔ یہ دنیا میں اسلام
کی سب سے پہلی مسجد ہے۔

۱۹۔ مدینے میں تشریف آوری

یثرب میں حضرت رسول خدا صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی آمد
کی خبر سن کر خوشیاں منائی جا رہی تھیں اور لوگ حضور
اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے استقبال کی تیاریوں میں

مصروف تھے - وہ ہر روز شہر کے باہر آ کر آپ ص کا انتظار کرتے - چھوٹے بڑے مسلسل کئی روز اسی طرح کرتے رہے - چودہ دن کے بعد حضور صلّی اللّٰہ علیہ و اٰلہ وسلّم نے شہر یثرب کا رخ کیا -

یہ جمعے کا دن تھا - راہ میں بنی سالم کے محلے میں دوپہر کی نماز کا وقت آ گیا - آپ صلّی اللّٰہ علیہ و اٰلہ وسلّم نے یہاں جمعے کی نماز ادا فرمائی - یہ آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ و اٰلہ وسلّم کی امامت میں جمعے کی پہلی نماز تھی - نماز سے پہلے خطبہ پڑھا - یہ خطبہ ایسا تھا کہ جس نے سنا متاثر ہُوا - قبا سے مدینے جانے والی پختہ سڑک کے کنارے بنی سالم کی یہ مسجد آج بھی موجود ہے -

حضور صلّی اللّٰہ علیہ و اٰلہ وسلّم قبا سے مدینے کی طرف روانہ ہوئے تو آپ کے خیرمقدم کا منظر یہ تھا کہ قبا سے مدینے تک ہر قبیلے کے معزز لوگ سڑک کے دونوں طرف کھڑے تھے - حضور اکرم صلّی اللّٰہ علیہ و اٰلہ وسلّم جس قبیلے کے آگے سے گزرتے وہ عرض کرتا یا رسول اللّٰہ ہمارا گھر، ہمارا مال اور ہماری جان حاضر ہے - آپ ص شکریہ ادا کرتے اور دعائے خیر دیتے ہوئے آگے گزر جاتے - شہر قریب آیا تو مسلمانوں کے جوش و خروش کا ایک عجیب سماں تھا - مدینے کی عورتیں اور بچیاں یہ گیت گا کر استقبال کر رہی تھیں -

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا ہم پر چودھویں کا چاند طلوع ہوا ہے۔
مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ "وداع" کی گھاٹیوں سے
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا ، ہم پر خدا کا شکر واجب ہے ،
مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ جب تک دعا مانگنے والے اللہ سے
دعا مانگیں ۔

بنو نجار حضور صلّی اللہ علیہ و اٰلہ وسلّم کے دادا کے ننھیالی رشتہ دار تھے ۔ ان کی چھوٹی چھوٹی بچیاں خوشی میں دف بجا بجا کر یہ شعر گاتی تھیں ۔

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِي النَّجَّار ہم نجار کے خاندان کی لڑکیاں ہیں ۔
يَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَارٍ آہا ! محمد صلّی اللہ علیہ و اٰلہ وسلّم ہمارے پڑوسی بنیں گے ۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ و اٰلہ وسلّم اونٹنی پر سوار تھے ۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ اسی کو آپؐ کا میزبان بننے کی عزت حاصل ہو اس لیے ہر کوئی اونٹنی کو اپنے گھر کے پاس روکنا چاہتا تھا ۔ آپ نے فرمایا "اس کو چھوڑ دو جہاں خدا کا حکم ہوگا وہیں جا کر ٹھہرے گی ، چنانچہ جب رسول پاک صلّی اللہ علیہ و اٰلہ وسلّم حضرت ابو ایوب انصاری

رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے پہنچے تو اونٹنی خود بخود بیٹھ گئی - ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا - انھوں نے حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کو اپنے یہاں مہمان اتارا اور ہر طرح کے آرام و آسائش کا سامان بہم پہنچایا - آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کوئی سات مہینے ان کے گھر رہے -

۲۰ - ہجرت کے اثرات

حضور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی مکے سے مدینے کو ہجرت میں بڑی حکمتیں تھیں - تاریخ شاہد ہے کہ ترقی اسلام کے لیے حضور پاکؐ کا یہ اقدام نہایت مبارک ثابت ہوا -

مکے میں مسلمان چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے ، اور وہاں انھیں طرح طرح کی اذیتیں دی جا رہی تھیں - دشمن ترقی اسلام کی راہ میں دیوار بن کر حائل تھے - غریب اور امیر ، شہری اور دیہاتی سب لوگ ابوجہل اور اس کے ساتھیوں کی شرارتوں سے ڈرے ہوئے تھے لیکن ہجرت کے بعد اسلام کو سمجھنے سمجھانے کے لیے میدان صاف تھا - اب جس شخص کا جی چاہتا بے کھٹکے حضور صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے پاس آتا اور دائرۂ اسلام میں داخل ہو جاتا - یہی وجہ تھی کہ مدینے میں اسلام نہایت تیزی کے ساتھ پھیلنے لگا -

ہجرت فرما کو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ثابت کر دیا کہ اللہ کے لیے وطن، رشتہ دار، گھر بار، کاروبار، مال و دولت اور سب کچھ قربان ہو سکتا ہے۔ آپ ص نے آنے والی نسلوں کے لیے ایک ایسا راستہ متعین کر دیا کہ خدا کی راہ میں اگر سب کچھ چھوڑنا پڑے تو بلا تامل ایسا کرنا لازم ہے۔

ہجرت کا فلسفہ وطن پرستی کی جڑ کاٹ دینا ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:-

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیب نوی ہے
غارت گر کاشانۂ دین نبوی ص ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے
نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مُصْطَفَوی خاک میں اس بت کو ملا دے

ان شعروں میں علامہ اقبال نے دور حاضر کی فساد انگیز وطن پرستی کو مذموم قرار دیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وطن کی محبت اور اس کی خدمت و حفاظت کا جذبہ کوئی بری چیز ہے۔

ہجرت کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہُوا کہ مدینے پہنچ کر

مسلمان اس قابل ہو گئے کہ اپنی دنیا خود بسائیں ۔ اور اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کریں ۔

اب ہجرت ایمان اور کفر کے درمیان ایک معیار بن گئی ۔ جو لوگ ایمان میں پکے اور اسلام کے مخلص ہوتے وہ سب کچھ چھوڑ کر اسلامی مرکز میں چلے آتے ۔ جو لوگ جان بوجھ کر ہجرت نہ کرتے، ان کے متعلق یقین ہو جاتا کہ ان کا دعویٰ صرف زبانی ہے ۔

ہجرت سے ایک بہت بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ مسلمانوں کی پوری قوت ایک جگہ جمع ہو گئی اور چند ہی سالوں میں مسلمان مکہ مکرمہ بلکہ تمام عرب کو فتح کرنے کے قابل ہو گئے ۔ دیکھتے ہی دیکھتے عرب کی پوری سر زمین ان کے ماتحت آ گئی اور پھر تھوڑے ہی عرصے میں وہ دنیا کی بڑی بڑی حکومتوں کے مالک بن گئے ۔

ہجرت کا قرآن میں بار بار ذکر آیا ہے ۔ ہجرت کی اہمیت اس سے بھی واضح ہے کہ سن ہجری کا آغاز اسی واقعے سے منسوب ہے ۔

۲۱ ۔ مدینے کے مہاجرین و انصار

مہاجر کے لفظی معنی ہیں ہجرت کرنے والا یعنی وہ مسلمان جو خدا کی راہ میں وطن کو چھوڑ کر کسی امن کی جگہ جا بسے ۔ مکے کے مسلمان جو اسلام کی خاطر گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے اور جنھوں نے مکے سے اٹھ کر

مدینے میں سکونت اختیار کر لی تھی انھیں مہاجر کہا جاتا ہے۔ انصار نصیر کی جمع ہے ، جس کے معنی ہیں مدد کرنے والے ۔ مدینے کے مسلمانوں نے پردیسی مہاجر بھائیوں کی ہر لحاظ سے مدد کی ۔ انھیں اپنا گھر رہنے کو ، اپنی دکانیں کاروبار کرنے کو پیش کیں ۔ سگے بھائیوں کی طرح انھیں عزیز رکھا ۔ اس لیے انھیں انصار کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے ۔

مکے کے مہاجر گھر بار ، زمین ، جائداد اور کاروبار غرض اپنا سب کچھ چھوڑ کر دین کی محبت میں مدینے پہنچے تھے ۔ یہاں اُن کے پاس کچھ نہ تھا لیکن مدینے کے مسلمانوں نے ان کو بھائیوں سے بڑھ کر عزیز جانا ۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے فرمان کے مطابق ہر انصاری نے ایک ایک مہاجر کو اپنا بھائی بنا لیا اور اخوّت کا حق ادا کر دیا ۔ اس بھائی چارے کو ''مؤاخاۃ'' کہا جاتا ہے ۔

چند ہی دنوں میں انصار اور مہاجر شیر و شکر ہو گئے ۔ مہاجر مدینے کے گلی کوچوں اور بازاروں میں یوں چلتے پھرتے جیسے وہ پشتوں سے اسی دیار میں رہتے آئے ہیں اور جو کچھ ان کے پاس ہے انھیں ورثے میں ملا ہے ۔

انصار کے اس حسن سلوک کی قدر مہاجرین نے بھی خوب کی ۔ انھوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ وہ انصاری بھائیوں پر بوجھ نہ بنیں ۔ جیسے جیسے اور جوں جوں ان کے قدم کاروبار اور تجارت وغیرہ میں جمتے گئے اور ان کی مالی حالت

اچھی ہوتی گئی ، انھوں نے اپنے انصاری بھائیوں کے ساتھ اسی طرح نیکی اور احسان کا سلوک کیا ۔

۲۲- ہجرت کے وقت مدینے کی سیاسی حالت

۱ ۔ سیاسی لحاظ سے مدینے کے قبائل میں دو عرب قبیلے اوس اور خزرج اور تین یہودی قبیلے بنی نضیر ، بنی قریظہ اور بنی قینقاع خاص طور پر قابل ذکر تھے ۔

یہود کے مقابلے میں اوس اور خزرج زیادہ طاقتور تھے لیکن آپس کی دشمنی اور لڑائی بھڑائی نے انھیں بری طرح کمزور کر رکھا تھا ۔ وہ سب سوچ رہے تھے کہ کسی شخص کو شہر کا بادشاہ بنا کر اس کی ماتحتی میں سب متحد ہو کر رہیں ۔

خزرج قبیلے کا ایک سردار عبداللہ بن اُبَیّ بہت چالاک اور جوڑ توڑ کرنے والا آدمی تھا ۔ اس نے شہر کی جب یہ حالت دیکھی تو بادشاہ بننے کے خواب دیکھنے لگا ۔ چنانچہ وہ عرب اور یہودیوں کو اس پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گیا ۔ قریب تھا کہ اسے مدینے کا سردار مان لیا جائے کہ اتنے میں لوگوں کی توجہ دین اسلام کی طرف ہو گئی اور حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم مدینے میں تشریف لے آئے ۔ جس طرح آفتاب کی روشنی میں چاند ستارے ماند پڑ جاتے ہیں بالکل یہی حالت عبداللہ بن اُبَیّ کے ساتھ ہوئی ۔ ہر شخص کی نظریں آفتاب رسالت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم

کی طرف آٹھنے لگیں چنانچہ اوس اور خزرج کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا اور عبداللہ بن آبی کی آمیدوں پر پانی پھر گیا ۔ اس نے نئی چال چلی اور مدینے میں ایک منافق گروہ تیار کرنے میں مصروف ہو گیا ۔

۲ ۔ منافق ۔ منافق ان لوگوں کو کہا جاتا تھا جو بظاہر اسلام کا کلمہ پڑھتے تھے لیکن انھوں نے دل سے اسلام کو قبول نہیں کیا تھا ۔ یہ لوگ اندر ہی اندر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے ۔

منافقوں کا گروہ کئی وجہ سے مکّے کے کافروں سے زیادہ خطرناک تھا ۔ یہ چھپے ہوئے دشمن تھے ۔ دوستی کے بھیس میں آتے، اسلام کا کلمہ پڑھتے ، نمازیں ادا کرتے، مگر آزمائش کے میدان میں دشمنوں کے ساتھ ہو جاتے ۔ یہ لوگ مکّے کے کافروں اور مدینے کے یہودیوں کو مسلمانوں کی خبریں پہنچاتے تھے ۔ عبداللہ بن آبیّ اس گروہ کا سرغنہ تھا ۔

۳ ۔ یہودی باہر سے آ کر مدینے میں آباد ہوئے تھے ۔ وہ حجاز کے سوداگر اور مہاجن تھے ۔ مدینے سے شام تک ان کی تجارتی کوٹھیاں اور منڈیاں تھیں ۔ وہ اپنے روپے کے زور سے مدینے میں بہت اثر رکھتے تھے ۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو شروع میں یہودیوں نے کوئی مخالفت نہ کی لیکن ان کے

دل صاف نہ تھے ، اندر ہی اندر وہ اسلام سے جل رہے تھے ۔ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے انھیں ساتھ ملانے کی پوری کوشش کی ، ان کے ساتھ دوستی کا معاہدہ بھی کیا ، لیکن یہود نے معاہدے کے باوجود اپنا رویہ نہ بدلا ۔

۴ - مکّے کے قریش بدستور اسلام کی دشمنی میں لگے ہوئے تھے اور رات دن اسی فکر میں پریشان رہتے تھے کہ اگر مسلمان مدینے میں جم گئے اور انھیں وہاں طاقت حاصل ہو گئی تو قریش کی عزت خاک میں مل جائے گی - غالباً انھیں اپنے ظلم یاد آتے ہوں گے اور ان کے بدلے سے خوف کھاتے ہوں گے ۔

مسلمانوں نے ان کا شہر مکّہ خالی کر دیا تھا ۔ وہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر مدینے آٹھ آئے تھے مگر اس سے بھی کفّار کے دل ٹھنڈے نہ ہوئے بلکہ قریش مکّہ کی سرگرمیاں اور بھی تیز ہو گئیں ۔ انھوں نے عبداللہ بن اُبّی اور یہودیوں کو کہلا بھیجا کہ مسلمان ہمارے دشمن ہیں ، ہرگز ان کی کوئی مدد نہ کرنا ورنہ ہم مدینے پر حملہ کر دیں گے ۔

ان حالات میں حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے مدینے میں کام شروع کر دیا ۔ آپؐ نے مدینے آ کر سب سے اہم اور ضروری کام یہ کیا کہ یہودیوں سے ایک معاہدہ کیا ۔

۲۳ ـ معاہدۂ یہود

اس معاہدے کو میثاق مدینہ بھی کہتے ہیں ۔ یہ معاہدہ حضور رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے امن پسند اور وسیع الخیال ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے ۔ آپؐ نے اس غیر قوم کو ساتھ ملانے کے لیے خود بڑھ کر کوشش کی ۔ اگر یہودی اپنے اس معاہدے کا احترام کرتے تو عرب سے کبھی نہ نکالے جاتے اور دنیا بھر میں ذلیل و رسوا نہ ہوتے ۔

معاہدے کے بعض حصوں کا ترجمہ حسب ذیل ہے :

"اللہ کے نام سے جو نہایت رحم کرنے والا مہربان ہے ۔ صلح و امن تمام مسلمانوں اور یہودیوں کا مشترک حق ہوگا ۔ اپنے ہم مذہبوں کے دشمن کے ساتھ کسی شخص کو خود ہی صلح یا جنگ کا اختیار نہ ہوگا ۔ یہودی ہر قسم کی توہین اور سختی سے محفوظ رکھے جائیں گے ۔ انھیں اپنے مذہبی احکام کے بجا لانے میں ویسی ہی آزادی ہوگی جیسی کہ مسلمانوں کو ہے ۔ ان کے دوست اور حلیف بھی اس آزادی میں شریک ہوں گے ۔ مجرم سے بدلہ لیا جائے گا اور سزا دی جائے گی ۔ مدینے کو تمام دشمنوں سے بچانے کے لیے یہودی مسلمانوں کا ساتھ دیں گے ۔ کوئی شخص مجرم کی امداد نہیں کرے

گا خواہ وہ اس کا قریب ترین رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ آئندہ تمام جھگڑے جو ان لوگوں کے درمیان پیدا۔ہوں گے جنھوں نے اس معاہدے کو قبول کیا ہے، فیصلے کے لیے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے سامنے پیش کیے جائیں گے"

آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم مکّے کے قریش سے پوری طرح واقف تھے اور خوب جانتے تھے کہ وہ حملوں سے باز نہ آئیں گے۔ لہٰذا حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و الہ وسلّم نے مسجد نبوی ص اور اپنے حجروں کی تعمیر کے فوراً بعد مدینے کی حفاظت کی طرف توجہ دی - یہودیوں سے مذکورہ بالا باوقار معاہدہ اس سلسلے کی پہلی کڑی تھی - اس سے وقتی طور پر مدینے میں کامل سکون اور خوشی کی لہر دوڑ گئی اور یہ یقین ہو گیا کہ ہر حملے کے خلاف سارا مدینہ ایک ہوگا -

مقامی یہودیوں کی طرف سے اس اطمینان کے بعد حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے آس پاس کے قبیلوں سے دوستانہ ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی - اس طرح پہلے جُہینہ کے قبیلے سے اور پھر بنو ضمرۃ سے صلح اور دوستی کے معاہدے کیے ۔ اس کے کوئی تین چار ماہ بعد آپ ص دو سو مہاجروں کو ساتھ لے کر بنی مدلج کے قبیلے میں پہنچے اور اس قبیلے سے بھی دوستی کا معاہدہ کیا ۔

۲۴ ۔ غزوۂ بدر

رجب ۲ ہجری میں حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و الہ وسلّم نے بارہ آدمیوں کو نخلہ کی وادی میں بھیجا اور ان کو ایک بند خط دے کر فرمایا کہ دو دن کے بعد یہ خط کھولنا ۔ اس میں لکھا تھا ”نخلہ میں ٹھہر کر قریش کے ارادوں کا پتہ لگاؤ اور مجھے خبر دو “۔

اتفاق یہ ہُوا کہ مکّے کے کچھ لوگ جو شام سے تجارت کا مال لے کر آ رہے تھے ۔ یہاں سے گزرے ۔ مسلمانوں کے اس دستے نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی اجازت اور حکم کے بغیر ان پر حملہ کر دیا ۔ مکّے والوں کا ایک شخص عمرو بن حضرمی مارا گیا ۔ دو پکڑ لیے گئے اور قافلہ لوٹ لیا گیا ۔ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و الہ وسلّم کو جب اس واقعے کی خبر ملی تو آپ‌ص نے ناراضی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ میں نے تمھیں ایسا کرنے کو نہیں کہا تھا ۔ تم نے لڑائی کی آگ لگا دی ۔

مسلمانوں نے کفّار قریش کے ساتھ جو کچھ کیا تھا ہادیٔ برحق صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے ارشاد کے بغیر کیا تھا ۔ لیکن دیکھا جائے تو وہ ایسا کرنے میں بالکل حق بجانب تھے ۔ انھوں نے ان لوگوں سے اس قدر دکھ سہے تھے کہ جواب میں جو کچھ کرتے کم تھا ۔ اس کے باوجود رحمۃ للعالمین‌ص

نے وہ تمام مال واپس کر دیا ، جو آدمی گرفتار ہو کر آئے تھے انھیں بھی کسی معاوضے کے بغیر آزاد کر دیا اور عمرو بن حضرمی کا خون بہا ادا کرنے کا حکم دیا -

حضورص کے اس منصفانہ طرز عمل کے بعد عمرو بن حضرمی کے قتل کا معاملہ رفع دفع ہو جانا چاہیے تھا لیکن قریش تو کسی بہانے کی تلاش میں تھے - جب عمرو بن حضرمی کے قتل کا واقعہ سنا تو ابوجہل وغیرہ نے اسے آڑ بنا کر مکّے والوں کو خوب بھڑکایا اور جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں -

اسی اثنا میں قریش مکّہ کا ایک بھاری قافلہ سامان تجارت لے کر شام سے واپس آ رہا تھا - مدینہ ان کے راستے میں پڑتا تھا - قریش کے تمام قافلے اسی راستے سے گزرتے تھے - انھوں نے مکّے میں یہ افواہ پھیلا دی کہ مسلمان اس قافلے پر چھاپہ مارنا چاہتے ہیں - یہ سنتے ہی مکّے کے ایک ہزار بہادر قریش مدینے پر حملے کے لیے تیار ہو گئے اور پوری طرح مسلح ہو کر ابوجہل اور عتبہ کی زیر کمان چل پڑے -

ابھی وہ مدینے سے کافی فاصلے پر تھے کہ انھیں معلوم ہو گیا کہ قافلے پر حملے کی خبر غلط تھی اور تجارتی قافلہ قریب کا عام راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے سے صحیح و سالم آگے گزر چکا ہے - اس کے باوجود قریش مکّہ نے واپس جانے کی

بجائے بدر کا رخ کیا کیونکہ ابوجہل لڑے بغیر واپس جانے پر آمادہ نہ تھا ۔

حضرت رسول اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے جب قریش کی آمد کی خبر سنی تو تین سو سے کچھ زائد جانبازوں کو ساتھ لے کر شہر سے نکلے اور وادیٔ بدر کے دوسرے سرے پر پہنچ کر رک گئے ۔ بدر کی وادی مدینے سے قریباً ساٹھ میل کے فاصلے پر ہے ۔

مکّے کے بعض لوگوں نے اس لڑائی کو ٹالنا چاہا اور قریش سے کہا کہ عمرو بن حضرمی کا خون بہا لے کر واپس چلے جاتے ہیں مگر ابوجہل لڑنے پر تلا ہُوا تھا ۔ شاید اس کی موت اسے میدان جنگ میں بلا رہی تھی ۔ اگلے دن صبح دونوں فوجیں میدان میں آمنے سامنے آ گئیں ۔

حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے کفار کی کثرت دیکھی تو بارگاہ الٰہی میں فتح کے واسطے سجدے میں گر گئے۔ آنحضرت صلّی اللہ غلیہ و اٰلہ وسلّم نے حضور خداوندی میں عرض کیا کہ ”اے خدا ! اگر یہ مٹھی بھر مسلمان مٹ گئے تو پھر زمین پر تیرا کوئی نام لیوا باقی نہ رہے گا ۔ اور اس جوش و خروش سے تجھے قیامت تک کوئی یاد نہ کرے گا“۔

۱۷ ۔ رمضان ۲ ہجری کو جنگ کا آغاز ہُوا ۔ پہلے ابن حضرمی کا بھائی عامر آگے بڑھا ۔ ایک غلام مسلمان اس کے مقابلے میں نکلا ۔ دیکھتے دیکھتے عامر زمین پر آ رہا ۔

اس کے بعد قریش کے لشکر کا سردار عتبہ بڑی شان سے نکلا ۔ اس کے ساتھ ولید اور شیبہ بھی آگے بڑھے ۔ ادھر مسلمانوں کی طرف سے تین انصاری مقابلے کو نکلے ۔ عتبہ نے ان کا نام و نسب پوچھا ۔ جب معلوم ہُوا کہ یہ مدینے کے رہنے والے ہیں تو وہ پکارا ۔ "محمد (صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم) ! یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں"۔ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے فرمانے سے وہ پیچھے ہٹ آئے اور اب حضور صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے حضرت حمزہ ، حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم کو میدان میں بھیجا ۔ عُتبہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے اور ولید نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مقابلہ کیا دونوں ایک ایک وار میں ہی جہنم واصل ہو گئے ۔ شیبہ کو حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے زخمی کر دیا ۔ یہ دیکھ کر حضوت علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور شیبہ کا کام تمام کر دیا ۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے سعید بن العاص کے بیٹے عبیدہ کا مقابلہ کیا اور برچھی ایسی تاک کر ماری کہ وہ دھم سے زمین پر آ رہا ۔ یوں دیکھتے دیکھتے قریش کے یہ نامی گرامی بہادر ڈھیر ہو گئے ۔

اب عام حملہ شروع ہو گیا ۔ دونوں طرف سے بہادر جان توڑ کر جنگ میں شریک ہو گئے ۔ مدینے میں ابوجہل کی شرارت اور اسلام کی مخالفتوں کا چرچا عام تھا ۔ انصار کے

دو ننھے مجاہد معاذ اور معوّذ اس کی تاک میں نکلے ۔ وہ تھے تو نوعمر ، جنگ کا انھیں تجربہ بھی نہ تھا لیکن عشق رسول صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم اور جذبۂ جہاد میں ڈوبے ہوئے تھے ۔ لوگوں سے پتا پوچھ کر وہ باز کی طرح ابوجہل پر جھپٹے ۔ ابوجہل اپنی فوج کے درمیان گھوڑے پر سوار ، سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبا ہُوا تھا ۔ ایک ننھے مجاہد نے اس کے گھوڑے کو ناکارہ کر دیا اور دوسرے نے اسے گھائل کر دیا ۔ وہ ابھی سنبھل ہی رہا تھا کہ زمین پر آ رہا ۔

عتبہ پہلے ہی مارا جا چکا تھا ۔ ابوجہل کی موت سے قریش کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنے لگے ۔ ان کے ستّر آدمی مارے گئے اور اتنے ہی گرفتار ہوئے ۔ مسلمانوں میں سے صرف چودہ بہادروں نے شہادت پائی ۔ یہ اسلام اور کفر کے درمیان پہلی جنگ کا نتیجہ تھا ۔

جنگ بدر نے یہ ثابت کر دیا کہ ہار جیت صرف ساز و سامان اور فوجوں کی تعداد سے نہیں ہوتی بلکہ اصل قوت ایمان کی ہے ۔ اس سے اعتماد پیدا ہوتا ہے اور اسی سے جرأت پیدا ہوتی ہے ۔ اب جنگ نے کفار مکّہ کی آنکھیں کھول دیں ۔ انھیں مسلمانوں کے ایمان اور قوت کا خوب اندازہ ہو گیا ۔

۲۵ - یہودیوں کا اخراج

شروع میں یہودیوں نے مسلمانوں سے دوستی پیدا کر لی لیکن جلد ہی مکّے کے قریش اور مدینے کے منافقوں سے ساز باز شروع کر دی اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی فکر میں رہنے لگے ۔ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی فتح نے ان کے دل میں حسد کی آگ بھڑکا دی ۔ ان میں بنو قینقاع نے سب سے پہلے علانیہ مسلمانوں کی مخالفت کا اظہار کیا ۔

قبیلہ بنو قَینُقَاع کی طرف سے ایک ایسی حرکت ہوئی کہ مسلمان ان سے نپٹنے پر مجبور ہو گئے ۔ ان کے محلے سے ایک مسلمان بی بی گزر رہی تھی کہ اس کو انھوں نے چھیڑ کر بے عزت کیا ۔ ایک مسلمان یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا ، اس سے نہ رہا گیا اور اس نے یہودی کو مار دیا ۔

بنی قینقاع کو اپنی بہادری اور لڑاکے پن پر ناز تھا ۔ انھوں نے اپنی غلطی ماننے کی بجائے اس مسلمان کو وہیں شہید کر دیا ۔ جب اس بات کی خبر مسلمانوں کو ہوئی تو ان میں جوش و خروش کی ایک لہر دوڑ گئی ۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے یہودیوں کو متنبہ کیا اور چاہا کہ مصالحت کی کوئی صورت پیدا ہو جائے مگر بنی قینقاع بہادری کے زعم میں جنگ کے لیے تیار ہو گئے ۔

لڑائی کا اعلان ہُوا تو یہودی قلعہ بند ہو کر مقابلہ کرنے

لگے ۔ مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا اور قلعے کو پندرہ دن تک گھیرے رہے ۔ اس دوران میں ان کے کئی آدمی مارے گئے ۔ جب کھانے پینے کا سامان ختم ہونے لگا تو گھبرائے اور کہلا بھیجا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم ہمارے متعلق جو فیصلہ کریں ہمیں منظور ہوگا ۔

عبداللہ بن اُبیّ ان کا حلیف تھا ۔ اس نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم سے کہا ، ان کے لیے یہی سزا کافی ہے کہ ان کو یہاں سے نکل جانے کا حکم دے دیا جائے ۔ حضور صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے یہ بات مان لی ۔ چنانچہ بنی قینقاع اپنی زمین اور جائداد چھوڑ کر شام کو چلے گئے ۔ یہ واقعہ ۲ ہجری کا ہے ۔

۲۶ ۔ غزوۂ اُحُد

بدر میں کافروں کی شکست سے قریش کے غصے کی آگ اور بھڑکی ۔ وہ شکست کھا کر جب مکّے واپس پہنچے تو ان کی عورتوں نے انھیں طعنے دیے ۔ کئی ہفتوں تک مرنے والوں کا ماتم کیا اور مکّے کے شاعروں نے غیرت دلانے والے شعر لکھے ۔

اب ابوسفیان مکّے کا سردار بن گیا تھا ۔ اس نے زور شور سے مدینے پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں ۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان دنوں مکّے ہی میں تھے - آن کے ذریعے حضرت رسول اکرم صلّی اللہ علیہ و اٰلہ وسلّم کو بروقت قریش کے حملے کی اطلاع مل گئی -

آنحضرت صلی اللہ علیہ و اٰلہ وسلم نے ۱۵ شوال ۳ ہجری کو صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا - کچھ لوگوں نے یہ رائے دی کہ شہر کے اندر رہ کر دشمنوں کی مدافعت کی جائے۔ منافقوں کے مردار عبداللہ بن ابیّ کی بھی یہی رائے تھی مگر باہمت نوجوانوں نے عرض کیا کہ دشمنوں کا مقابلہ شہر کے باہر کھلے میدان میں کیا جائے۔ حضور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم گو پہلی رائے سے متفق تھے لیکن آپ‌ص نے نوجوانوں کے جذبے کی قدر کی اور شہر سے باہر نکل کر دشمن کے مقابلے کا فیصلہ کیا ۔

قریش نے مدینے کے پاس پہنچ کر اُحُد پہاڑ کے پاس پڑاؤ ڈال لیا ۔ وہ دو دن سے یہاں جمے ہوئے تھے ۔ تیسرے دن جمعہ تھا ۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ و اٰلہ وسلّم جمعے کی نماز پڑھنے کے بعد ایک ہزار کی فوج ساتھ لےکر باہر نکلے ۔ عبداللہ بن ابیّ یہ کہتا ہُوا اپنے تین سو آدمیوں کو ساتھ لے کر واپس لوٹ گیا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے میری بات نہیں مانی اس لیے ہم ساتھ نہیں دیں گے -

یہ لوگ اسلام کا کلمہ پڑھ چکے تھے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے تھے ۔ لیکن آج جب کٹھن وقت آیا تو ساتھ چھوڑ گئے اور بہانہ یہ کیا کہ حضرت رسول اکرم صلیؐ اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے اس کی بات نہیں مانی - یہ پہلا موقع تھا کہ منافقین کا نفاق ظاہر ہُوا اور کھرا کھوٹا سامنے آ گیا ۔ ایسے ہی وقت میں دوست دشمن کی تمیز ہُوا کرتی ہے ۔

حضرت رسول خدا صلیؐ اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے ساتھ اب صرف سات سو آدمی رہ گئے جن میں سے صرف ایک سو آدمیوں کے پاس زرہیں تھیں ۔ پہلے ہی تین ہزار کے مقابلے میں مسلمانوں کے لشکر میں ایک ہزار آدمی تھے - اب تین سو منافقوں کے نکل جانے سے ان کی تعداد سات سو باقی رہ گئی مگر کیا مجال کہ کسی کا حوصلہ پست ہُوا ہو ۔

مسلمانوں نے اُحد پہاڑ کو پیٹھ کے پیچھے رکھ کر اپنی صفیں درست کیں - پہاڑ میں ایک درّہ تھا ۔ ڈر تھا کہ دشمن پیچھے سے آ کر اس طرف سے حملہ کر دے گا ۔ اس لیے پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ حضرت عبداللہ بن جبیر کی قیادت میں درے کی حفاظت کے لیے مقرر کیا گیا ۔ حضور صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے انہیں حکم دیا کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا ۔

جنگ کا آغاز اس طرح ہُوا کہ پہلے قریش کی عورتیں دف پر فخریہ اشعار پڑھتی ہوئی آگے بڑھیں، پھر قریش کے لشکر کے علمبردار طلحہ نامی ایک شخص نے صف سے نکل کر نعرۂ جنگ بلند کیا - حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے میں نکلے اور بڑھ کر ایسی تلوار ماری کہ آن واحد میں وہ کٹ کر زمین پر آ رہا - اس کے بعد اس کا بھائی عثمان بڑھا تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تلوار نے اس کا کام تمام کر دیا -

مجاہد دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے اور ان میں کھلبلی ڈال دی - چند ہی گھنٹوں کی لڑائی میں دشمن کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے - کفار کی اس ہزیمت میں بھی مسلمانوں کے لیے بڑی آزمائش تھی - بعض مسلمان دشمن کی بجائے ان کے مال و اسباب کی طرف بڑھے - دیکھا دیکھی اکثر مسلمان اس کام میں شریک ہو گئے - درے کے تیر اندازوں نے جب یہ حال دیکھا کہ دشمن میدان چھوڑ رہا ہے تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و اٰلہ وسلّم کا حکم نظر انداز کر کے نیچے اُتر آئے - ان کے سردار عبداللہ بن جبیرؓ نے بہتیرا سمجھایا کہ درے کو چھوڑنے کا یہ مناسب وقت نہیں مگر چند صحابہؓ کے سوا کسی نے پروا نہ کی -

قریش کے سپہ سالاروں میں ایک ذہین سپہ سالار وہ تھا جس نے بعد میں اسلام کے لیے شام اور عراق کے ملک فتح

کیے اور مسلمانوں کا سب سے بڑا جرنیل ثابت ہوا یعنی خالد بن ولید ۔ جب تیر اندازوں نے درے کو چھوڑا تو وہ پھر پیچھے کو پلٹا اور اپنے دستے کو لے کر درے کے پیچھے سے مسلمانوں پر باز کی طرح جھپٹا ۔

حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے اپنے بچے کھچے تیر اندازوں کے ساتھ خالد کو روکنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ اکثر مسلمان مال غنیمت سمیٹنے میں مصروف تھے ۔ خالد کے حملے سے گھبرا گئے ۔ دوسری طرف قریش کی بھاگی ہوئی فوج نے جب خالد کے حملے کی کیفیت دیکھی تو وہ لوگ بھی رک گئے ۔ انھوں نے مسلمانوں پر دوسری جانب سے حملہ کر دیا ۔ کفار کے حملے کا زیادہ دباؤ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف تھا ۔ اس دوران میں حضرت مصعبؓ بن عمیر شہید ہو گئے ۔ ان کی شکل و شباہت حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ملتی جلتی تھی ۔ قریش نے ان پر دھوکا کھایا یا جان بوجھ کر مشہور کر دیا کہ (نعوذ باللہ) حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم شہید ہو گئے ہیں ۔

اس افواہ سے مسلمانوں کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی مگر حضرت علی ، حضرت ابوبکر ، حضرت سعد بن ابی وقاص ، حضرت زبیر ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم جیسے بہادر اور جان نثار صحابہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

کو گھیرے میں لے لیا اور قریش کے حملوں کا جواب دیتے رہے -

اس اثنا میں کچھ دوسرے مسلمانوں نے بھی حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و اٰلہ وسلّم کو دیکھ لیا اور ان کے دلوں میں ایک نیا جذبہ پیدا ہو گیا - انھوں نے باقی مسلمانوں کو آوازیں دیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم موجود ہیں ، جم کر مقابلہ کرو اور ساتھ ہی اللہ اکبر کے نعرے بلند کیے - ان آوازوں سے مسلمان پلٹے - کئی گھنٹوں تک زبردست جنگ ہوئی - آخرکار کفار کا زور ٹوٹا اور حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و اٰلہ وسلّم چند صحابہؓ کو لے کر پہاڑی پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے -

اب مسلمانوں نے اوپر سے تیر برسانے شروع کر دیے - نیچے کھڑے ہوئے دشمنوں کو پسپائی کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا تو میدان چھوڑ کر پیچھے ہٹے اور مکّے کی راہ لی - مسلمانوں نے کچھ دور تک ان کا پیچھا کیا مگر مڈھ بھیڑ نہ ہوئی -

سچی بات یہ ہے کہ اُحد کی لڑائی میں مسلمانوں کو بہت نقصان اُٹھانا پڑا - فتح ہوتے ہوتے افراتفری پھیل گئی - ستّر کے قریب صحابہؓ شہید ہو گئے جن میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے - خود رسول اکرم

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ایک دانت مبارک شہید ہو گیا اور آپ صلعم کے چہرۂ مبارک پر زخم آئے۔

عبرت کا مقام ہے کہ جس فوج کو ایک سال پہلے جنگ بدر میں تین سو سے کچھ زائد مجاہدوں نے شکست دی تھی اور ابھی سات سو کے قریب مسلمانوں نے بھی پہلے حملے میں انھیں شکست دے دی تھی اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی سے اسی فوج کے ہاتھوں مسلمانوں کے لیے پریشانی کی صورت پیدا ہو گئی۔

۲۷ - بنی نضیر کا اخراج

یہودی قبیلہ بنی نضیر نے بھی مسلمانوں سے عہد شکنی کی۔ بنو نضیر کے سرداروں نے قریش سے سازش کر کے انھیں مدینے پر حملہ کرنے کے گُر بتائے اور غزوۂ اُحُد کے موقع پر بھی ان کی درپردہ امداد کی۔

بنو نضیر نے کئی بار آنحضور صلعم کے قتل کی سازش بھی کی۔ چنانچہ ربیع الاول ۴ ہجری کا واقعہ ہے کہ ایک دن آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کسی کام سے ان کے محلے میں گئے۔ ایک دیوار کے سائے میں کھڑے تھے کہ ایک یہودی چھت پر چڑھ کر ایک بھاری پتھر آپ صلعم پر لڑھکانے لگا مگر آپ صلعم کو بذریعۂ وحی بروقت معلوم ہو گیا اور وہاں سے ہٹ آئے۔

ان کی ان غداریوں کا جواب دینے کی غرض سے آپ نے ان

پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا مگر بنو قینقاع کی طرح یہ بھی قلعہ بند ہو گئے - چھ دن کے بعد شدید محاصرے نے ان کے چھکّے چھڑا دیے - انھوں نے صلح کی درخواست کی چنانچہ ان کے لیے بھی جلا وطنی کا فیصلہ کیا گیا - البتہ ان سے یہ رعایت کی گئی کہ اپنا سامان جس قدر لے جا سکتے ہیں لے جائیں -

یہ لوگ گاتے بجاتے مدینے سے یوں نکلے جیسے کسی فتح پر خوشیاں منا رہے ہوں اور خیبر میں جا کر آباد ہو گئے - اب مدینے میں ایک یہودی قبیلہ بنی قریظہ رہ گیا - انھیں کچھ نہیں کہا گیا ، کیونکہ ابھی تک یہ لوگ معاہدے کی پابندی کر رہے تھے اور بلاوجہ کسی سے زیادتی کرنا اسلام کا مقصد نہ تھا -

۲۸ - غزوۂ خندق

قبیلہ بنو نضیر کے لوگ خیبر میں جا کر آباد ہو گئے اور وہاں سے مسلمانوں کے خلاف شرارتیں شروع کر دیں - انھوں نے ارد گرد کے قبیلوں کو مسلمانوں کے خلاف ابھارنا شروع کر دیا چنانچہ مکّے کے قریش ، خیبر کے یہودی اور ارد گرد کے قبیلے سب مسلمانوں کے خلاف اکٹھے ہو گئے - ان کی تعداد چوبیس ہزار تھی -

۵ ہجری کے ماہ شوال میں اس بھاری لشکر نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے مدینے کا رخ کیا -

کفّار کے متعدد لشکروں کی تیاریوں کی مسلمانوں کو خبر تھی - جب ان فوجوں کے جمع ہونے کی خبر ملی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ایک صحابی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تھے وہ ایران کے رہنے والے تھے اور ایران کے جدید جنگی اصولوں سے واقفیّت رکھتے تھے۔ انہوں نے یہ رائے دی کہ تین طرف سے مدینہ گھروں اور نخلستان سے گھرا ہُوا ہے اور ان اطراف سے حملے کا خطرہ نہیں البتہ جس طرف سے کھلا ہے ایک گہری خندق کھود دی جائے اور شہر کے اندر رہ کر کفار کا مقابلہ کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کے مشورے کو پسند فرمایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تین ہزار مسلمانوں کے ساتھ خندق کھودنے کا کام شروع کر دیا - تین ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کام کو قریباً بیس دن میں پورا کیا - خود آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی ایک معمولی مزدور کی طرح کام کرتے تھے صحابہ رضی اللہ عنہم مٹی کھودتے تھے پیٹھوں پر لاد لاد کر باہر پھینکتے تھے اور مل کر یہ شعر پڑھتے تھے -

"ہم ہیں جنھوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی ہے - جب تک جان میں جان ہے ہم خدا کی راہ میں لڑتے رہیں گے"۔

اب دشمن قریب آ چکا تھا - مدینے کے یہودی قبیلے بنو قریظہ سے مسلمانوں کا دوستانہ معاہدہ ضرور تھا مگر ان کی روش بھی صاف نہ تھی - اس لیے بوقت ضرورت ان سے نپٹنے کے لیے دو سو مسلمانوں کا ایک دستہ علیحدہ کر دیا گیا -

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے باقی صحابہ رضی اللہ عنہم کو جگہ جگہ متعین کر دیا اور حملے کی روک تھام کے لیے پوری طرح تیار ہو گئے -

کافروں کا محاصرہ قریباً بیس دن تک قائم رہا - انھوں نے ہر طرف سے مدینے کی ناکہ بندی کر لی تھی مگر پھر بھی گہری خندق درمیان میں حائل ہونے کے سبب وہ شہر پر حملہ نہ کر سکے - ایک جگہ خندق کی چوڑائی کم تھی - ایک دن کفار نے بڑی تیاری کرکے اسی طرف سے حملہ کرنا چاہا -

عمرو بن عبدوُدّ قریش کا بہت بڑا بہادر تھا - وہ گھوڑے پرسوار خندق پھاند کر اس پار آ گیا - حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا - حملے کا یہ دن بڑا سخت تھا - دشمن ہر طرف سے تیر اور

پتھر برسا رہے تھے اور مسلمان ڈٹ کر خندق کے اندر سے مقابلہ کر رہے تھے -

تمام مسلمان خواتین کو ایک حویلی میں جمع کر دیا گیا تھا - یہ مکان یہودی قبیلے بنی قریظہ کے محلے کے قریب تھا - بنی قریظہ نے یہ دیکھ کر کہ مسلمان تو اس طرف پھنسے ہوئے ہیں اس پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا - ایک یہودی حالات معلوم کرنے کے لیے قلعے کے دروازے پر پہنچا - آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پھوپھی یعنی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے یہودی کو دروازے کے قریب دیکھا تو معاملے کو بھانپ گئیں - انھوں نے لکڑی کا ایک بھاری لٹھ اٹھایا اور اس کے سر پر ایسا مارا کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا - پھر اس کا سر کاٹ کر دروازے کے سامنے پھینک دیا - یہ دیکھ کر بنی قریظہ سمجھے کہ یہاں بھی کچھ فوج ہے - اس لیے پھر انھیں ادھر کا رخ کرنے کی ہمت نہ ہوئی -

کفار کا محاصرہ کافی طول پکڑ گیا تو دشمن کے قبیلوں میں پھوٹ پڑ گئی - خدا کا کرنا ایسا ہُوا کہ انھی دنوں ایک رات ایسی آندھی چلی کہ دشمنوں کے خیموں کی رسیاں اکھڑ گئیں - کھانے کی ہانڈیاں چولھوں پر الٹ گئیں - ان واقعات سے دشمن سخت بد دل ہو گئے اور ایک ایک کرکے واپس جانے لگے -

یہ دیکھ کر قریش نے بھی محاصرہ چھوڑ دیا اور اس

طرح بیس بائیس دن کے بعد مدینے کی سرزمین دشمنوں کے وجود سے پاک ہو گئی - خیبر کے یہود اور مکے کے قریش کی ناکامی کا اثر ملک پر بہت گہرا پڑا - مسلمانوں کی جنگی قابلیت کا سکہ عربوں کے دلوں پر بیٹھ گیا -

اس لڑائی کو غزوۂ خندق اور غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں - خندق اس لیے کہ مدینے کی حفاظت کے لیے خندق کھودی گئی تھی اور غزوۂ احزاب اس لیے کہ بہت سے گروہ متحد ہو کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے تھے - گروہ کو عربی میں حزب کہتے ہیں اور اس کی جمع ہے احزاب -

۲۹ - یہود کا آخری قبیلہ

غزوۂ خندق کے موقع پر یہودیوں کے قبیلے بنی قریظہ نے بھی غداری کی ، مکے کے کافروں کا باقاعدہ ساتھ دیا اور پھر عورتوں کے قلعے پر حملہ کرنے کی کوشش کی - یہ دونوں جرم ناقابل معافی تھے - کفار کی طرف سے فارغ ہو کر مسلمانوں نے بنی قریظہ کو گھیر لیا - یہودی قلعہ بند ہو گئے - ایک ماہ کے قریب محاصرہ جاری رہا - آخر ان کے سرداروں نے ہتھیار ڈال دیے -

اب سوال یہ تھا کہ یہودیوں کے اس آخری قبیلے سے کیا سلوک کیا جائے - انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمارا فیصلہ سعد بن معاذ سے کرایا جائے - سعد رضی اللہ عنہ قبیلہ اوس کے سردار تھے اور ان کا

قبیلہ یہودیوں کا حلیف تھا ۔ اس لیے یہودیوں نے ان سے فیصلہ کرانا مناسب سمجھا ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کی اس درخواست کو قبول فرما لیا اور خود فیصلہ کرنے کی بجائے ان کا معاملہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا ۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کی کتاب تورات کی تعلیم کے مطابق فیصلہ کیا کہ بنی قریظہ کے جو مرد لڑنے کے قابل ہیں انھیں قتل کر دیا جائے ۔ بچوں اور عورتوں کو گرفتار کر لیا جائے اور ان کے اموال کو مال غنیمت قرار دیا جائے ۔ چنانچہ تورات کی سفر العدد باب ۳۱ آیات ۹ تا ۱۸ میں مذکور ہے کہ یہودی اپنے دشمنوں کو یہی سزا دیا کرتے تھے اور یہ آن کی شریعت کے عین مطابق ہے ۔

۳۰ ۔ صُلح حدیبیہ

مکّے کے مہاجر جب سے مدینے آئے تھے حج اور طواف کعبہ سے محروم تھے ۔ اب بہت سے لوگوں اور خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی یہ خواہش تھی کہ مکّے جائیں اور کعبے کی زیارت کریں ۔ اس ارادے سے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ذوالقعدہ ۶ ہجری میں چودہ سو مسلمانوں کو ساتھ لے کر عُمرے کے لیے مکّے کو روانہ ہوئے ۔ لڑائی کی نیّت نہ تھی ۔ آپؐ نے ساتھ

جانے والوں سے فرمایا کہ تلوار کے سوا کوئی ہتھیار ساتھ نہ لیں۔ تلواروں کو بھی نیام میں رکھیں۔ قربانی کے اونٹ ساتھ لے لیے۔ یہ اس امر کی علامت تھی کہ یہ قافلہ زیارت حرم کے لیے جا رہا ہے۔

جب مکے والوں کو خبر ہوئی کہ حضورؐ مسلمانوں کے ساتھ مکے آ رہے ہیں تو وہ مقابلے کی تیاریاں کرنے لگے۔ مکے کے قریب حدیبیہ کے مقام پر پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑاؤ ڈالا اور ایک سفیر قریش کی طرف بھیجا جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف سے ان پر سفر کا مقصد واضح کیا اور کہا کہ ہم صرف عمرہ ادا کرنے آئے ہیں، لڑنے کا ہرگز کوئی خیال نہیں۔ کعبے کا طواف اور زیارت و قربانی ادا کرنے کے بعد ہم امن کے ساتھ واپس چلے جائیں گے مگر قریش نہ مانے۔

سفیروں کی آمد و رفت جاری رہی۔ عروہ بن مسعود ثقفی قریش کی طرف سے سفیر بن کر آیا، مگر بات طے نہ ہوئی۔ آخرکار مسلمانوں کی طرف سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا تاکہ وہ اپنے ایک عزیز کی مدد سے قریش کے سرداروں کو ملیں۔ انھیں واپسی میں بہت دیر لگ گئی۔ اس دوران میں یہ خبر پھیل گئی کہ ان کو قریش نے شہید کر دیا ہے۔

اس خبر نے مسلمانوں میں جوش اور ہیجان پیدا کر دیا
آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا عثمان رضی اللہ عنہ
کے خون کا بدلہ لینا فرض ہے - آپ ص ایک ببول کے درخت
کے نیچے بیٹھ گئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے جاں نثاری
کی بیعت لی - اس کا نام "بیعت رضوان" ہے یعنی خدا
خوشنودی کی بیعت -

بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
کی شہادت کی خبر غلط تھی تاہم مسلمانوں کے اس
جوش و خروش کا اثر یہ ہوا کہ قریش بہت ڈھیلے پڑ گئے
انھوں نے اپنا ایک سفیر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی
خدمت میں بھیجا اور صلح کی بات چیت نئے سرے سے شروع
ہو گئی -

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم صلح اور امن چاہتے تھے
اس لیے آپ ص نے قریش کی بعض ایسی شرائط بھی مان لیں
جو بظاہر مسلمانوں کے لیے نقصان دہ معلوم ہوتی تھیں لیکن
وقت نے ثابت کر دیا کہ وہ بہت مفید تھیں - یہ صلح نامہ
چونکہ حدیبیہ کے مقام پر طے ہوا تھا اس لیے اسے
"صلح نامہ حدیبیہ" کہتے ہیں - صلح کی شرائط مختصراً
حسب ذیل تھیں :

۱- مسلمان اس سال واپس چلے جائیں اور اگلے سال صرف
تین دن کے لیے آئیں -

۲۔ تلوار کے سوا کوئی ہتھیار ساتھ نہ لائیں اور وہ بھی نیام میں ہو ۔

۳۔ مکّے میں جو مسلمان رہ گئے ہیں جاتے وقت ان کو اپنے ساتھ لے کر نہ جائیں ۔

۴۔ قریش میں سے اگر کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینے چلا جائے تو اسے واپس کر دیں لیکن اگر کوئی مسلمان مدینے سے مکّے آئے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا ۔

۵۔ عرب قبیلوں میں سے جو قبیلہ جس فریق کے ساتھ چاہے مل جائے ۔ دوسرا فریق اسے بھی اپنا حلیف سمجھے ۔

۶۔ صلح دس سال کے لیے کی جاتی ہے ۔ اس دوران میں آپس میں کوئی جنگ نہ ہوگی ۔

بظاہر یہ شرطیں بہت کڑی تھیں اور جوشیلے مسلمان انھیں مانتے ہوئے گھبراتے تھے ۔ مگر جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کو مان لیا تو پھر انکار کی جرأت کس کو ہو سکتی تھی ؟ تھوڑے ہی عرصے میں اس معاہدے کے فائدے نظر آنے لگے ۔ دنیا کے بہت سے مؤرخوں نے اس صلح نامے کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بہت بڑی کامیابی قرار دیا ہے ۔ صحابہؓ بھی صلح حدیبیہ

کو فتح ہی قرار دیتے تھے ۔ اس صلح کے بعد سورۃ الفتح
نازل ہوئی جس میں صلح حدیبیہ کو ''فتح مبین'' قرار دیا
گیا ہے : اِنَّا فَتَحنَا لَکَ فَتحاً مُّبِیناً (سورۃ الفتح) یعنی بے شک ہم
نے آپ کو ایک واضح فتح عطا کی ۔

اس وقت تک قریش اسلام کے راستے میں دیوار بنے ہوئے
تھے اب یہ دیوار درمیان سے ہٹ گئی ۔ ہر قبیلہ آزاد تھا
کہ جس سے چاہے دوستی کرے ۔ چنانچہ قبیلہ بنو خزاعہ
مسلمانوں کے ساتھ مل گیا اور قبیلہ بنو بکر قریش کے ساتھ
اس معاہدے کی رُو سے کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ منورہ
نہیں جا سکتا تھا ۔ بظاہر یہ بہت بڑی کمزوری کی بات تھی
لیکن اس سے بھی بہت فائدہ ہُوا ۔ جو مسلمان یہاں رہا اس نے
خوب اسلام کی تبلیغ کی اور کفار قریش اسے معاہدے کی وجہ
سے کوئی تکلیف نہ پہنچا سکے ۔

۳۱ ۔ بادشاہوں کو تبلیغ

صلح نامہ حدیبیہ کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم
کو لڑائی جھگڑوں سے قدرے اطمینان ہُوا تو آپ؏ کو پورے
زور سے اسلام کی تبلیغ کرنے کا موقع مل گیا ۔ حضور اکرم
صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دنیا کے مختلف بادشاہوں کو
اسلام کی دعوت دی ۔ اُن کے پاس اپنے خاص قاصدوں کے
ذریعے اسلام کی تبلیغ کے خطوط بھیجے ۔ خاص طور

حبشہ ، ایران ، روم ، یمن وغیرہ کے بادشاہوں کو اسلام کا پیغام بھیجا ۔

حبشہ کے بادشاہ نے اسلام قبول کر لیا ۔ لیکن ایران کے شہنشاہ نے حضورص کے خط کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سنا تو فرمایا :
"اللہ تعالیٰ اسی طرح اس کی بادشاہت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا "۔ یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی ۔

شہنشاہ ایران خسرو پرویز کے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جو خط لکھا تھا ، اس کا ترجمہ درج ذیل ہے :

" اللہ کے نام سے جو رحم کرنے والا بے حد مہربان ہے
محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی طرف سے کسریٰ شاہ ایران کی طرف ۔ سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں ۔ میں تم کو اللہ کی طرف سے دعوت دیتا ہوں ۔ میں اللہ کی طرف سے تمام لوگوں کے لیے رسول ہوں تاکہ ہر اس شخص

کو جو زندہ ہے ڈراؤں اور اس کا انکار کرنے والوں پر حجت ثابت ہو جائے۔ اسلام قبول کر لو، بچ جاؤ گے۔ اگر تم نے انکار کر دیا تو دوسرے آتش پرستوں کا گناہ بھی تم پر ہوگا۔"

مصر کے بادشاہ نے اسلام قبول نہ کیا مگر حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خط کا جواب بڑے ادب سے دیا اور قاصد سے عزت کے ساتھ پیش آیا۔

روم کا شہنشاہ اس وقت پوری عیسائی دنیا کا حاکم تھا۔ جب اسے آپ ص کا خط ملا تو اس نے حکم دیا کہ حجاز کے سوداگر اگر یہاں موجود ہوں تو انہیں دربار میں حاضر کیا جائے۔ خدا کی قدرت کہ روم کے پایہ تخت میں ابوسفیان جیسا اسلام کا دشمن اس وقت موجود تھا۔ ساتھیوں سمیت اُسے دربار میں بلایا گیا۔ حضرت ابوسفیان رض اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے بلکہ کفار مکہ کے سردار تھے اور مسلمانوں کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔

قیصر روم اور ابوسفیان کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ یہ ہے:

قیصر: یہ جو رسول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ان کا خاندان کیسا ہے؟

ابوسفیان: شریف ہے۔

قیصر : کیا اس سے پہلے تم میں سے کسی نے اس قسم کا دعوےٰ کیا ہے ؟

ابوسفیان : نہیں -

قیصر : اس کے خاندان میں سے کوئی بادشاہ گزرا ہے ؟

ابوسفیان : نہیں -

قیصر : جن لوگوں نے اس کے مذہب کو قبول کیا ہے وہ غریب لوگ ہیں یا امیر ؟

ابوسفیان : غریب -

قیصر : اس کے ماننے والے بڑھ رہے ہیں یا کم ہوتے جا رہے ہیں ؟

ابوسفیان : بڑھتے جا رہے ہیں -

قیصر : کبھی تم نے انہیں جھوٹ بولتے بھی سنا ہے ؟

ابوسفیان : نہیں -

قیصر : کیا یہ نبی کبھی وعدہ کر کے بھی پھر گیا ہے ؟

ابوسفیان : اب تک تو ایسا نہیں کیا ، اب جو معاہدہ ہُوا ہے دیکھیں وہ اس کو پورا کرتا ہے یا نہیں -

قیصر : کیا تم کبھی ان سے لڑے بھی ہو ؟

ابوسفیان : ہاں -

قیصر : لڑائی کا نتیجہ کیا رہا ؟

ابوسفیان : کبھی ہم جیتے کبھی وہ۔

قیصر : ان کی تعلیم کیا ہے؟

ابوسفیان : وہ کہتا ہے کہ ایک خدا کو مانو۔ اسی کی
عبادت کرو۔ اسی سے دعائیں مانگو۔ نماز پڑھو۔
سچ بولو۔ رشتہ داروں کا حق ادا کرو۔ وغیرہ۔

قیصر ابوسفیان کا جواب سن کر پکار اٹھا : اگر تم نے سچ سچ کہا ہے تو ایک دن ایسا آئے گا کہ میرے پاؤں کے نیچے کی اس مٹی پر بھی اس کا قبضہ ہو گا۔ اگر ہو سکتا تو میں جاتا اور اس کے پاؤں دھوتا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صداقت کی اس تصدیقی شہادت کے باوجود قیصر نے اپنے درباریوں کے ڈر کی وجہ سے اسلام قبول نہ کیا۔

حبشہ، ایران، مصر اور روم کے بادشاہوں کے علاوہ بہت سے اور سرداروں اور حکمرانوں کو بھی اسلام قبول کرنے کے لیے خطوط لکھے گئے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ان دعوتی خطوط اور تبلیغی کوششوں کا اثر بہت اچھا ہوا اور مختلف قبیلوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں اپنے وفد بھیجے اور اسلام کی دعوت کو قبول کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بھیجے ہوئے کئی اصل خط بھی دستیاب ہو چکے ہیں اور یہ اس بات

کی گواہی ہے کہ حدیث کی کتابوں میں خطوط کا جو مضمون بیان کیا گیا تھا ، وہ حرف بحرف درست تھا ۔ اس سے روایت حدیث کے سلسلے میں محدثین کرام کے کمال احتیاط اور قوت حافظہ کی تصدیق اور احادیث کو نا قابل اعتماد قرار دینے والوں کی تردید ہوتی ہے ۔

۳۲ ۔ مکے کی فتح

صلح نامہ حدیبیہ کی پانچویں شرط یہ تھی کہ جو عرب قبیلہ چاہے مسلمانوں سے دوستانہ معاہدہ کر لے اور جو چاہے قریش سے ۔

بنو خزاعہ اور بنو بکر دو حریف قبیلے مکے کے قریب آباد تھے ۔ جیسا کہ بیان ہو چکا بنو بکر قریش سے مل گئے اور بنو خزاعہ نے مسلمانوں سے معاہدہ کر لیا ، اس میں یہ بات شامل تھی کہ جنگ میں ایک دوسرے کی امداد کی جائے گی ۔ کسی وجہ سے بنو بکر نے مسلمانوں کے حلیف بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا ۔ قریش نے ان کی مدد کی حالانکہ معاہدے کی رو سے غیرجانبدار رہنا چاہیے تھا ۔

بنو خزاعہ کے بعض لوگ بھاگ کر کعبے میں داخل ہو گئے کہ وہ امن اور پناہ کی جگہ تھی ۔ بنو بکر اور قریش نے وہاں بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا ، اس پر بنو خزاعہ کے کچھ لوگ مدینے پہنچے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و الہ

وسلم سے امداد چاہی ۔ اس ظلم کی داستان سن کر آپؐ کو بہت رنج ہوا ۔

حلیف ہونے کی حیثیت سے بنو خزاعہ کی مدد کرنا ہر مسلمان کا فرض تھا ۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و الہ وسلم نے مندرجہ ذیل تین شرائط کے ساتھ ایک قاصد کو مکّے روانہ کیا اور قریش مکّہ کو پیغام بھیجا کہ ان میں سے جو بات انھیں منظور ہو اختیار کر لیں :-

۱ - بنو خزاعہ کے جو آدمی ناحق مارے گئے ہیں ان کا خون بہا ادا کریں ۔

یا

۲ - بنو بکر کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں ۔

یا

۳ اعلان کر دیں کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا ہے ۔

قریش کے سرداروں نے پہلی دونوں تجویزوں کو نہ مانا بلکہ تیسری بات کو منظور کیا اور معاہدہ ختم کرنے کا اعلان کر دیا ۔

بعد میں ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور ابوسفیان مدینے آیا تا کہ معاہدے کو پھر سے تازہ کیا جائے مگر اب اس کا وقت نہیں رہا تھا ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و الہ وسلم نے مسلمانوں کو جہاد

کی تیاری اور مکّے کی طرف روانگی کا حکم دے دیا ۔
۱۰ ۔ رمضان ۸ ہجری کو دس ہزار صحابہ رضی اللہ عنھم کی فوج مکّے کی طرف بڑھی ۔ مکّے کے سرداروں نے جب خدا کے ماننے والوں کی اس بھاری فوج کو دیکھا تو اُن کے اوسان خطا ہو گئے ۔

ابوسفیان حضور اکرم صلی اللہ علیہ و اٰلہ وسلم کے خیمے میں حاضر ہو کر دست بستہ کھڑا ہو گیا اور امان مانگی ۔ اور اسلام لے آیا ۔ آپ‌ص کے دل میں معاف کرنے کا جذبہ بے مثال تھا ۔ آپ‌ص نے صرف ابوسفیان کو معاف ہی نہیں کیا بلکہ اعلان کر دیا کہ جو کوئی بیت اللہ میں پناہ لے اسے امن مل جائے گا اور جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے اس کو بھی پناہ مل جائے گی ۔ جو کوئی اپنے گھر میں بیٹھ رہے اسے بھی کچھ نہ کہا جائے گا ۔ گویا ہر شخص کے لیے امن کا اعلان تھا ۔

مسلمانوں کے دستے مختلف دروازوں سے شہر میں داخل ہوئے اور جس نے امان مانگی اسے دے دی گئی ۔ آپ‌ص نے اپنے ان دشمنوں سے جو آج بے بس تھے سوال کیا "تم سے کیا سلوک کیا جائے؟" انھوں نے کہا " آپ‌ص جوانوں کے محسن بھائی اور بوڑھوں کے مہربان بھتیجے ہیں ، ہم حسن سلوک کے اُمیدوار ہیں ۔" یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ و اٰلہ وسلم نے عام معافی کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا میں وہی کچھ کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام

نے اپنے دشمن بھائیوں سے کہا تھا :

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ (آج تم سے کوئی باز پرس نہ ہوگی

اِذْھَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاء جاؤ، تم سب آزاد ہو) ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اخلاق نے وہ کام انجام دیا جو ایک لشکر جرّار سے بھی نہ ہو سکتا تھا۔ آج بڑے سے بڑا کافر بھی آپ ص کا گرویدہ ہو رہا تھا، آج بڑے بڑے سنگدلوں کے دل موم ہو گئے اور ان کی آنکھوں نے اسلام کو پہچان لیا ۔ جن باتوں پر انھیں کل تک یقین نہ آتا تھا آج انھیں صاف معلوم ہو گئیں ۔

مکّہ فتح ہو گیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کعبے میں تشریف لے گئے ۔ خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کیا اور اس کی چھت پر اسلام کا جھنڈا گاڑ دیا گیا ۔ مکّہ مکرّمہ کا انتظام درست کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مدینہ منورہ واپس آ گئے ۔

مکّے کی فتح دنیا کی تاریخ میں ایک نرالی فتح ہے ۔ مکّہ مکرّمہ کے وہ ظالم جنھوں نے حد درجہ ظلم کیے تھے، سب کو معاف کر دیا گیا ۔ جن مسلمانوں نے زندگی بھر ظلم برداشت کیے تھے انھوں نے کسی سے بدلہ نہ لیا ۔

۳۳ - غزوۂ تبوک

سن ۹ ہجری میں دنیا میں دو بڑی سلطنتیں تھیں ، ایک ایران دوسری روم - عرب کے سرحدی قبیلے اور ارد گرد کے علاقے رومیوں کے ماتحت تھے - چنانچہ شام پر ایک غسّانی حاکم حکومت کر رہا تھا اور وہ بھی رومی حکومت کے ماتحت تھا -

مسلمانوں کو خبر ملی کہ شام کا غسّانی حاکم رومیوں کی مدد سے شام کی سرحد پر فوجیں اکٹھی کر رہا ہے تاکہ مدینے پر حملہ کرے - آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ اطلاع پا کر احتیاط کے طور پر تیاری کا حکم دے دیا - آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اہل مکہ اور قبائل عرب سے جانی و مالی امداد طلب کی - اس وقت سخت قحط اور شدت کی گرمی تھی - اسی وجہ سے اس غزوہ کو غزوۃ العُسرۃ (زمانۂ تنگ دستی کا غزوہ) بھی کہتے ہیں - اس لشکر کی تیاری میں حضرت عثمان غنیؓ نے خصوصیت سے حصہ لیا - حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ نے بھی بڑے ایثار کا ثبوت دیا - غرض آپ ۹ ہجری ماہ رجب میں تیس ہزار فوج کے ساتھ مدینے سے نکلے ، اس فوج میں دس ہزار سوار شامل تھے - یہ معرکہ غزوۂ تبوک کہلاتا ہے -

تبوک کے مقام پر پہنچ کر معلوم ہُوا کہ رومیوں کے فوری حملے کی خبر صحیح نہ تھی ، البتہ عیسائی حاکم

تبلیغ اسلام کو روکنے کے لیے کچھ دوڑ دھوپ کر رہا ہے۔

مسلمانوں کی یہ فوج بیس دن تبوک کے مقام پر ٹھہری رہی اور جب کوئی دشمن مقابلے میں نہ آیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے واپسی کا حکم دیا ، اس لیے کہ بلا وجہ جنگ اور لوٹ مار آپ ص کا مقصد نہ تھا۔ مار دھاڑ اور تشدّد اسلام میں جائز ہوتا تو اس سے بہتر اور کون سا موقع تھا ؟

تبوک کی مہم کا سرحدی علاقوں پر گہرا اثر پڑا ۔ لشکر اسلام کی واپسی پر کئی چھوٹی چھوٹی عرب اور عیسائی ریاستوں نے اسلامی حکومت کے ماتحت رہنا قبول کیا اور جزیہ دینے لگے ۔ تبوک کا سفر بہت اہم ہے ۔ اس سے مسلمان بہادروں میں یہ جذبہ پیدا ہُوا کہ روم اور ایران کی سلطنتوں سے ٹکر لی جا سکتی ہے اور ایران کے ظلم سے مخلوق خدا کو آزاد کرایا جا سکتا ہے ۔ اسی جذبے کے تحت خلافت راشدہ کے زمانے میں مسلمانوں نے روم و ایران کی مفسد سلطنتوں کا تختہ اُلٹ کر عدل و انصاف کا نظام قائم کیا تھا ۔

۳۴ - حجۃُ الوَداع

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی کوششوں سے چند ہی برسوں میں اسلام کی آواز عرب

کے کونے کونے میں پھیل گئی۔ ۱۰ ہجری کے ختم ہونے تک عرب کا زیادہ حصہ اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہو گیا اور اکثر قبیلوں نے اسلام قبول کر لیا۔

یہ زمانہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لیے بے حد مصروفیت کا دور تھا۔ تمام دن ملک کی چاروں طرف سے وفد آتے اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کرتے۔ مؤرخوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زندگی کے اس سال کو ''عامُ الوُفود'' کہا ہے یعنی وفدوں کا سال۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مسجد نبوی میں بیٹھ کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور ان کو خدا کے احکام سناتے۔ پورے ملک کی تعلیم و تبلیغ کے انتظامات کی دیکھ بھال بھی کرتے۔ صبح سے لے کر رات گئے تک تبلیغ اور سیاسی کاموں کے انجام دینے میں لگے رہتے۔

باقی تمام وقت عبادت کے لیے وقف ہوتا، کھانے پینے اور آرام کرنے کے لیے بہت تھوڑا وقت بچتا، رات کو پہروں مصروف عبادت رہتے اور اسلام کی کامیابی پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مختلف علاقوں میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے مبلّغ بھیجے۔ زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے عامل مقرر کیے، نظم و نسق اور عدالت

کے لیے مفتی اور قاضی مقرر کیے - اس وقت تک سارا عرب اسلام کا علم بردار بن گیا تھا اور آپ‌ص جس مقصد کے لیے دنیا میں آئے تھے وہ پورا ہو چکا تھا - بین الا قوامی سیادت مسلمانوں کے ہاتھ آ گئی تھی اور اسلام ایک عالمگیر قوت بن کر پوری دنیا میں ہدایت کی روشنی پھیلانے کے قابل ہو گیا تھا -

ذوالقعدۃ ۱۰ ہجری میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ و الہ وسلم نے حجّ کا ارادہ ظاہر کیا - اس خبر کا سننا تھا کہ ہزاروں بندگان خدا حجّ کے لیے تیار ہو گئے - چنانچہ آپ ۲۵ ذوالقعدۃ کو ایک لاکھ کے قریب مسلمانوں کے ساتھ مکہ مکرّمہ کی طرف روانہ ہوئے۔

اس سر زمین میں جہاں چند سال پہلے خدا کا نام لینے والا ایک بھی موجود نہ تھا آج ایک لاکھ انسان اللہ کے نام کی تسبیح پڑھتے ہوئے داخل ہوئے -

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ — اے اللہ میں حاضر ہوں -

لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ — میں حاضر ہوں - تیرا کوئی

لَكَ لَبَّيْكَ — شریک نہیں ، میں حاضر ہوں -

یہ نعرہ ان کی زبان پر تھا - ان کی تکبیروں سے پہاڑیاں گونج رہی تھیں - حضور اکرم صلی اللہ علیہ و الہ وسلم ایک

اونٹنی پر سوار تھے اور آپ ص کے آگے پیچھے دائیں بائیں مسلمانوں کا ہجوم تھا -

مکے پہنچ کر ۹ ذوالحجہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے میدان عرفات میں وہ تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا جو الوداعی خطبہ کہلاتا ہے اور جس میں دین کی تمام بنیادی باتوں کا آپ ص نے ذکر فرمایا ہے - اس کو پڑھ کر قیامت تک مسلمانوں کے دل ایمان سے منور ہوتے رہیں گے -

۳۵ - آخری خطبہ

اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا :

"لوگو ! میری بات سنو - معلوم نہیں کہ میں اور تم پھر کبھی اس جگہ اکٹھے ہوں گے یا نہیں - لوگو ! تمھاری جانیں اور تمھارے مال اور عزتیں یقیناً ایک دوسرے کے لیے اسی طرح احترام کے لائق ہیں جیسا کہ تم آج کے دن اس شہر کا اور اس مہینے کا احترام کرتے ہو -

تمھیں عنقریب خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اور وہ تم سے تمھارے اعمال کی نسبت سوال فرمائے گا- لوگو ! عورتوں پر تمھارے حقوق ہیں اور تم پر عورتوں کے حقوق ہیں - عورتوں کے ساتھ مہربانی اور محبت سے پیش آؤ کیونکہ خدا کے نام کی ذمے داری سے تم نے ان کو بیوی بنایا اور خدا

کے کلام سے تم نے ان کا جسم اپنے لیے حلال کیا ۔

اپنی امانتوں میں دیانتدار رہو اور گناہ سے بچتے رہو ۔ سود حرام ہے، آج کے بعد مقروض صرف اصل رقم ادا کرے گا اور سب سے پہلے میں خود اپنے خاندان سے عباس بن عبدالمطّلب کا سود معاف کرتا ہوں ۔

زمانۂ جاہلیت کے تمام جھگڑے مٹائے جاتے ہیں اور سب سے پہلے میں خود عامر بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطّلب کا خون معاف کرتا ہوں ۔

اپنے غلاموں کا خیال رکھو ، انہیں وہی کھانا کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو ، وہی لباس پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو اور اگر ان سے کوئی ایسا قصور سرزد ہو جائے جو تم معاف نہ کر سکو تو ان کو آزاد کر دو کیونکہ وہ خدا کے بندے ہیں اور ظلم کے لیے پیدا نہیں کیئے گئے ۔ لوگو! میری بات غور سے سنو ، جان رکھو کہ سب مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں ، جو چیز ایک بھائی کی ہے دوسرا نہیں لے سکتا جب تک وہ خود بخوشی اسے نہ دے ۔ اپنے آپ کو بے انصافی سے بچائے رکھو ۔

جو لوگ موجود ہیں وہ اُن لوگوں کو جو موجود نہیں ہیں یہ الفاظ پہنچا دیں، ممکن ہے وہ لوگ جو موجود نہیں ان لوگوں سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوں جنہوں نے اپنے کانوں سے سنا ہے۔"

اس خطبے میں نہ شاعری ہے نہ خیال آرائی بلکہ سیدھے سادے انداز میں زندگی کے اُلجھے ہوئے مسائل کو حل کیا گیا ہے۔ اس سے اعلیٰ تعلیم انسانی کانوں نے آج تک نہیں سنی تھی۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے حاضرین سے دریافت فرمایا کہ کیا میں نے تم تک اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے؟ ہر شخص نے جواب دیا کہ ہاں پہنچا دیا ہے۔ تین بار آپؐ نے یہی سوال کیا اور اثبات میں جواب سن کر آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا :-

"اے اللہ! گواہ رہنا میں نے تیرا پیغام تیرے بندوں تک پہنچا دیا اور اپنے کام کو پورا کر دیا"۔

۳۶ ـ وصال

مکے سے واپس آنے کے کچھ عرصے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طبیعت ناساز ہو گئی مگر آپؐ نے اپنے معمول میں کوئی فرق نہ آنے دیا۔ ان ایام میں کچھ

غیر معمولی باتیں ضرور پیش آئیں، مثلاً ایک روز آدھی رات کے قریب آپ صہ مدینہ منوّرہ کے قبرستان ''جنّتُ البقیع'' میں تشریف لے گئے اور مسلمان مُردوں کے لیے مغفرت کی دعا کی۔ اُحد کے شہیدوں رض کے قبرستان میں گئے اور وہاں رو رو کر ان کے حق میں دعائیں کیں۔ واپس ہوتے وقت اس طرح رخصت ہوئے جیسے کوئی زندوں سے سفر کی رخصت چاہتا ہو۔

ایک دن نماز کے بعد مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا: ''مسلمانو! اگر میں نے تم میں سے کسی پر ظلم کیا ہے تو اس کے بدلے کے لیے تیار ہوں اور اگر مجھے کسی کا کچھ دینا ہے تو جو کچھ میرے پاس ہے وہ تمھارا ہے''۔

ایک دوسرے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ''اے مسلمانو! میں اپنے پیچھے تمھارے پاس خدا کا کلام چھوڑ جاؤں گا۔ اگر تم نے اللہ کے کلام اور میری سُنّت کے مطابق زندگی بسر کی تو تم گمراہ نہیں ہو گے، تم قرآن کو مضبوطی سے تھامے رکھنا''۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سب کے لیے دعا مانگی اور تقریر کو قرآن مجید کی آیات پر ختم فرمایا جن کا مطلب یہ ہے: ''آخرت کے اچھے گھر کو ہم نے ان لوگوں کے لیے مخصوص کر رکھا ہے جو دنیا میں تکبر نہیں کرتے اور آخرت کے انعامات صرف پرہیزگاروں کے لیے ہیں۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بیماری کے ایام میں رہائش کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھر منتخب کیا تھا، جس کے لیے دوسری ازواج مطہراتؓ نے بخوشی اجازت دے دی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مسجد نبویؐ سے بالکل ملا ہوا تھا۔ کمزوری اور ناتوانی کے باوجود حضور وفات سے تین دن قبل تک نماز کی امامت فرماتے رہے۔ اس کے بعد آپؐ مسجد میں تشریف نہ لا سکے۔

۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری دو شنبہ کی دوپہر کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے مالک حقیقی سے جا ملے اور اس طرح وہ اعلیٰ اور کامیاب ہستی جو توحید باری تعالیٰ اور شفقت مخلوق ربانی کی سب سے بڑی علمبردار تھی، دنیا سے اٹھ گئی۔ اناللہ واناالیہ راجعون۔

۳۷۔ سیرت پاک

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مبارک زندگی ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ اس کا ہر پہلو بے مثال اور ہر دور بے نظیر ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زندگی سے غریب بھی، امیر بھی، چھوٹا بھی، بڑا بھی، حاکم بھی،

محکوم بھی ، دوست بھی ، دشمن بھی ، تاجر بھی، مزدور بھی، قاضی بھی ، مفتی بھی ، سپہ سالار بھی ، اور سپاہی بھی، غرض ہر کوئی سبق حاصل کر سکتا ہے ، اس لیے کہ حضرت رسول اکرم محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ سب کام کیے اور تمام منزلوں سے گذرے ۔

ایک یتیم بچہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنی محنت کے ساتھ اعلیٰ درجے کا کامیاب تاجر بنا ، اپنی دیانت داری سے "الامین" اور سچائی سے "الصادق" کہلایا ۔ بت پرستوں کے ملک میں پیدا ہُوا مگر ایک اللہ کا نام لے کر کھڑا ہوا اور تھوڑے ہی عرصے میں سب کو اپنے رنگ میں رنگ لیا ۔

اللہ کا ایک بندہ غربت سے اٹھا اور چند ہی دنوں میں حاکم بن گیا ۔ دنیا کی دولت اس کے قدموں میں آ گئی مگر وہی سادگی ، وہی فقیری ، وہی پھٹے پرانے کپڑے ، وہی موٹا جھوٹا کھانا ، نہ فخر نہ غرور ۔

ثابت قدمی اور استقلال کا یہ عالم ہے کہ ہزار مخالفتیں ہوئیں ، دشمنوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ، طرح طرح سے ستایا ، گھر سے بے گھر کر دیا مگر حوصلہ پست نہ ہُوا ، صحیح راستے سے ادھر آدھر نہ ہوئے ۔ نہ کوئی لالچ اثر کر سکا نہ دھمکی متاثر کر سکی ۔

تدبیر کا یہ عالم ہے کہ ہر کٹھن منزل میں کامیاب ہیں ۔ ہر مشکل کا حل موجود ہے ، ہر الجھن کا جواب تیار ہے ۔

کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ کی مدد شامل ہے اور نبوت کا نور راستہ روشن کر رہا ہے۔

محبت کا یہ عالم ہے کہ ہر بچہ آپؐ کا شیدائی ہے، ہر بڑا آپؐ کا جاں نثار ہے، اپنے پرائے آپؐ پر جان چھڑکتے ہیں، اس لیے کہ ہر کسی کو اپنا سمجھتے ہیں۔ ہر کمزور کو آپؐ کی مدد حاصل ہے، غریب آپؐ کی حمایت میں ہے۔ کمزور عورت ذات کو آپؐ نے خاص طور پر سہارا دیا اور اس کے تمام حقوق دلائے۔

حسن سلوک کا یہ حال ہے کہ جس نے کبھی کوئی نیکی کی تھی ہمیشہ اُسے یاد رکھا۔ اپنوں کا کیا ذکر، دشمن بھی حسن سلوک سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ اگر جانی دشمن آ گیا تو اُسے بھی معاف کر دیا۔

دنیا کے تمام ضروری کاروبار کیے، شادیاں کیں، اولاد ہوئی، بیٹیاں بیاہیں، غربت دیکھی، تجارت کی، دیس پردیس میں رہے، مخالفتوں کا مقابلہ کیا، جنگیں لڑیں، صلح کی، حکومت کی، مگر ہر حال میں خدا کو یاد رکھتے، دن کو روزے رکھتے، نمازیں پڑھتے اور راتیں یاد خدا میں جاگ کر کاٹ دیتے۔

یوں تو تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام حسن اخلاق سے آراستہ تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ذات اقدس حسن اخلاق کی تمام انواع کی جامع تھی

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام پہلے انبیاء علیہم السلام کی سیرت کے اتباع کا حکم دیا تھا لہذا جو فضائل وخصائل کمال و شرف پہلے انبیاء میں متفرق طور پر موجود تھے وہ تمام آپ کی ذات شریف میں جمع تھے :-

حسنِ یوسف ، دمِ عیسیٰ ، یدبیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا "اسوۂ حسنہ" ہی ہماری کامیابی کی ضمانت ہے ، اور آپ ص کے نقش قدم پر چل کر ہی ہم دنیا و آخرت میں کامیاب ہو سکتے ہیں ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اَھْلِ بَیْتِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۔ اٰمِیْنَ ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خلافت راشدہ

خلیفۂ اوّل

حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ

(زمانہ خلافت ۱۱ تا ۱۳ ہجری مطابق ۶۳۲ تا ۶۳۴ عیسوی)

ابتدائی زندگی

آپ کا اسلامی نام عبداللّٰہ، کنیت ابوبکر اور لقب عتیق تھا۔ سچ بولنے اور سچائی کا ساتھ دینے میں اس قدر ممتاز تھے کہ لقب ہی ”صدّیق اکبر“ پڑ گیا۔

والد کا نام عثمان بن عامر تھا جو ابو قحافہ رض کی کنیت سے مشہور تھے اور والدہ کا نام ام الخیر سلمیٰ تھا۔ سلسلہ نسب چھٹی پشت میں رسول اکرم صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم کے سلسلے سے جا ملتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللّٰہ عنہ کا خاندان بڑا معزز سمجھا جاتا تھا، خون بہا کے فیصلے انھیں کے سپرد تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللّٰہ عنہ ۵۷۲ عیسوی میں پیدا ہوئے۔ جوان ہوئے تو کپڑے کی تجارت شروع کر دی۔ اللّٰہ کے فضل و کرم سے کاروبار خوب چمکا، معاملہ فہمی اور عقلمندی

کے باعث شہر بھر میں شہرت پائی ۔

فضائل

بت پرستی اور شراب نوشی سے آپ کو بچپن ہی سے نفرت تھی ۔ جب آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر وحی نازل ہوئی تو صدیق اکبرؓ سے ذکر کیا ، آپ فوراً ایمان لے آئے ۔ آزاد مردوں میں سب سے پہلے آپ نے اسلام قبول کیا ۔

شروع سے آخر تک آپ نے اسلام کی بڑی خدمات انجام دیں ۔ اسلام کے ابتدائی زمانے میں غریبوں کا سہارا آپ ہی تھے ، غلاموں کو خرید کر آزاد کرتے تھے ، ہجرت کے سفر میں آپ ہی رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ تھے ۔ مدینے پہنچ کر بھی ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ ہی رہے ۔ ہر جنگ میں برابر شریک ہوئے اور اسلام کی خاطر سب سے زیادہ دولت صرف کی ۔

۹ ہجری میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے آپ کو امیر حج بنایا اور اپنی آخری بیماری میں نمازوں کی امامت بھی آپ ہی کے سپرد فرمائی ۔

خلافت

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کے بعد مدینے کے انصار سقیفۂ بنو ساعدہ میں جمع ہوئے ۔ وہ اپنے میں سے کسی کو خلیفہ بنانے پر اصرار کر رہے تھے اور اس

طرح ایک بڑے اختلاف کا خطرہ تھا ۔ چونکہ قریش کسی دوسرے کی سرداری کو ہرگز تسلیم نہ کرتے تھے اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ، انصار کے اس اجتماع میں گئے ۔ تینوں نے انصار کے سامنے اس سلسلے میں تقریریں کیں اور انہیں سمجھایا ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہایت اخلاص سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام خلافت کے لیے تجویز کیا اور بیعت کے لیے اپنا ہاتھ بڑھا دیا ۔ وہاں خلافت کے لیے جس قدر لوگ موجود تھے سب نے بیعت کر لی ۔ پھر سب مسجد نبوی‌ص میں آئے ۔ وہاں دوسرے مسلمانوں نے بیعت کی ۔

اس موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو تقریر کی اس کے چند جملے یہ ہیں :-

> ''اے لوگو ! میں تمہارا امیر بنایا گیا ہوں ۔ اگر اچھا کام کروں تو میری مدد کرو اگر غلطی کروں تو میری اصلاح کر دو ۔ تمہارا کمزور شخص بھی میرے نزدیک طاقت ور ہے یہاں تک کہ میں اس کو اس کا حق دلا دوں اور تمہارا قوی سے قوی شخص بھی میرے نزدیک کمزور ہے جب تک کہ حق دار کا حق اس سے چھین کر حق دار کو نہ دلوا دوں ۔''

حضرت ابوبکرؓ کی مشکلات

خلافت کی ذمے داریاں سنبھالتے ہی آپ کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ۔ لیکن آپ نے انتہائی عقلمندی جرأت اور حکمت سے ان سب کا مقابلہ کیا اور حق تو یہ ہے کہ حضرت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی خلافت کا حق ادا کر دیا ۔

۱ ۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کی خبر سن کر کئی نو مسلم قبیلوں نے اسلام سے منہ موڑنا شروع کر دیا تھا ۔ جسے ''فتنۂ ارتداد'' کہتے ہیں ۔

۲ ۔ بعض قبیلوں نے مسلمان کہلاتے ہوئے بھی زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا ۔ یہ اسلام سے کھلی بغاوت تھی ۔

۳ ۔ عرب کے کئی چالباز اور مکار لوگوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ شروع کر دیا ۔ یہ لوگ اسلام کے سخت دشمن تھے ۔

۴ ۔ شامی سرحد غیر محفوظ تھی ۔ جنگ موتہ کے شہیدوں کے خون کا بدلہ لینا بھی ضروری تھا ۔ حضرت رسول کریم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے وفات سے پہلے اس مقصد کے لیے ایک لشکر کی تیاری کا حکم دیا تھا اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اس لشکر کا سپہ سالار مقرر فرمایا تھا ۔

لشکر آسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی

آپ نے اس کو تمام کاموں سے زیادہ ضروری سمجھا - یہ آپ کی جرأت کا بہت بڑا امتحان تھا - پورے عرب میں بغاوت کی آگ بھڑک رہی تھی - اکثر لوگوں کے نزدیک ان حالات میں ملک سے باہر اتنا بڑا لشکر بھیجنا مناسب نہ تھا - آپ نے فرمایا :

> "اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے ، اگر مجھے یہ یقین ہو کہ شہر خالی ہونے سے مجھے درندے نوچ کھائیں گے پھر بھی میں حضرت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے حکم کی اطاعت میں اسامہ رض کے لشکر کو ضرور روانہ کروں گا "۔

چنانچہ لشکر روانہ ہُوا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خود مدینے کے باہر تک فوج کو رخصت کرنے کے لیے تشریف لے گئے - اس لشکر کی روانگی کا بہت اچھا اثر ہُوا - دور دور تک مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی - آسامہ رض نے رومیوں کو شکست دی اور بے شمار مال غنیمت اور قیدی لے کر واپس آئے جس سے مرتدین اور باغیوں کے حوصلے پست ہو گئے -

مرتد قبائل کو راہ راست پر لانا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دوسرا اہم کارنامہ ہے - جب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ

کا لشکر کامیاب واپس آیا تو آپ نے باغی قبائل کے خلاف مہم تیز کر دی ۔ جن قبائل نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا ، ان کے خلاف بھی کارروائی کی گئی ۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلامی فوج کے گیارہ دستے بنائے ۔ انھیں جدا جدا جھنڈے عطا کیے اور مختلف سپہ سالاروں کے تحت مختلف علاقوں کی طرف روانہ کیا ۔ نقشہ ایسا تیار کیا کہ باغیوں کو فتح کرتے ہوئے ایک گھیرے میں لے لیں تاکہ شرارتوں کا بالکل خاتمہ ہو جائے ۔

نبوّت کے دعوےٰ دار

ان لوگوں کو سزا دینا بھی ضروری تھا ۔ طلیحہ اسدی نے شمالی نجد میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا ۔ وہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے شکست کھا کر شام کی طرف بھاگ گیا اور بعد میں توبہ کر لی ۔ الجزیرہ کی طرف سجاح نامی ایک عورت نے نبوت کا دعویٰ کیا ۔ بنو تمیم کا ایک حصہ اس کے ساتھ ہو گیا مگر دوسرے لوگوں نے اس کی مخالفت کی تو وہ یمامہ کو چلی گئی اور وہاں مسیلمہ کذّاب کے ساتھ مل گئی بلکہ اس سے نکاح بھی کر لیا ۔ مسیلمہ کذّاب نے یمامہ میں نبوت کا ڈھونگ رچا رکھا تھا ۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ مقابلے کو گئے مگر کامیاب نہ ہوئے ۔ آخر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے اور مسیلمہ مارا گیا ۔

مختصر یہ کہ دو اڑھائی سال کی مدت میں پورا عرب پھر سے اسلام کے ماتحت ہو گیا اور سب بغاوتیں اور سازشیں فرو ہو گئیں۔

حضرت ابوبکرؓ کی فتوحات

۱۔ اندرونی بغاوتوں کو ختم کرنے کے بعد آپ نے عراق کی طرف توجہ کی۔ پہلے مثنّٰی بن حارثہؓ کو ادھر روانہ کیا پھر ان کی مدد کے لیے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ۱۲ ہجری کے شروع میں روانہ ہوئے۔ انھوں نے تھوڑے ہی عرصے میں ملک کا کثیر حصہ فتح کر لیا۔

۲۔ ایران کی سرحدوں پر بھی جھڑپیں شروع ہو گئیں۔ کئی معرکے ہوئے اور ایران کی فتح کی داغ بیل پڑ گئی۔

۳۔ شام کے عیسائی عربوں نے مسلمانوں کے خلاف سازشیں شروع کر رکھی تھیں۔ اس طرف بھی اقدام ضروری تھا چنانچہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ۱۳ ہجری میں یرموک میں رومیوں سے مقابلہ کیا اور اللہ نے اسلام کو فتح عطا فرمائی۔

مختصر یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے سَوا دو سالوں میں پورے عرب میں امن و امان قائم کر دیا۔ تمام بغاوتیں دبا دیں۔ دوسری طرف عراق،

شام اور ایران کی فتوحات کی داغ بیل ڈال دی اور اسلامی سرحدیں محفوظ کر دیں ۔

قرآن مجید کی جمع و ترتیب

حضرت ابوبکرؓ کا ایک نہایت اہم اور شاندار کارنامہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے ایماء پر آپ نے مختلف حفّاظ قرآن اور کاتبان وحی کی متفقہ کوشش سے قرآن مجید کو ایک جگہ جمع کرایا ۔ گو تمام قرآن حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے زمانہ ہی میں لکھا ہُوا موجود تھا مگر وہ مختلف چیزوں مثلاً پتھر کے ٹکڑوں ، ہڈیوں یا چمڑے اور درختوں کی چھال وغیرہ پر متفرق طور پر لکھا ہُوا تھا ۔ آپ نے اپنی نگرانی میں اسے اسی ترتیب سے ایک جگہ جمع کرادیا جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے حفاظ قرآن اور دیگر صحابہ کو بتا رکھی تھی ۔

قرآن مجید کا یہ جمع شدہ نسخہ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد اُن کی بیٹی یعنی ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی تحویل میں رکھ دیا گیا ۔

حضرت ابوبکرؓ کی سیرت

آپ اخلاق حسنہ کے مالک تھے ۔ بڑے نرم مزاج عقلمند اور بہادر تھے ۔ ایمان ، فراست اور خداداد لیاقت میں ممتاز تھے ۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی کبھی شرک نہیں کیا

شراب کبھی نہ چکھی ۔ کتنے ہی غلاموں کو آزاد کیا ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ چالیس ہزار درہم اللّٰہ کے راستے میں خرچ کیے اور جب وفات پائی تو ایک درہم بھی باقی نہ تھا ۔

حضرت ابوبکر رضی اللّٰہ عنہ صحیح معنوں میں رسول خدا صلّی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلّم کے جانشین تھے ۔ آپ ہر کام صلاح اور مشورے سے کرتے تھے ۔ دینی مسائل میں آپ نے کبھی کسی کی مخالفت کی پروا نہ کی ۔

آپ کے زمانے میں عرب کی مالی حالت اچھی ہو گئی ۔ پورا ملک مالا مال ہو گیا ۔ آپ نے غیر مسلم رعایا کی پوری طرح حفاظت کی اور انھیں پورے شہری حقوق دیے ۔

وفات

سوا دو برس کی خلافت کے بعد ۲۱ جمادی الاُخرۃ ۱۳ ہجری کو ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی ۔ رضی اللّٰہ عنہ ۔

خلیفۂ دوم

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(زمانۂ خلافت ۱۳ تا ۲۳ ہجری مطابق ۶۳۴ تا ۶۴۴ عیسوی)

ابتدائی زندگی

آپ کی کنیت ابوحفص تھی اور لقب فاروق تھا - قبیلہ قریش کی شاخ بنوعدی کے معزز لوگوں میں سے تھے - والد کا نام خطاب اور بیٹی کا نام حفصہ تھا -

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ''حرب فجار'' سے چار سال پہلے تقریباً ۵۸۱ عیسوی میں پیدا ہوئے - بچپن میں عربوں کے رواج کے مطابق بھیڑ بکریاں چرائیں - بڑے ہو کر لکھنا پڑھنا سیکھا اور تجارت کو اپنا پیشہ بنایا - بڑے سجیلے اور قد آور تھے - شہ سواری ، نیزہ بازی اور کُشتی کے فن میں ماہر تھے - تقریر کے فن میں بھی بڑی حیثیت کے مالک تھے - قریش عام طور پر آپ ہی کو اپنا سفیر بنا کر بھیجتے تھے -

فضائل

نبوت کے ابتدائی زمانے میں اسلام کے شدید دشمن تھے۔ ایک دن (نعوذ باللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے سے نکلے۔ تلوار ہاتھ میں لی۔ راستے میں کسی نے کہا کہ پہلے بہن بہنوئی کی خبر تو لو، وہ مسلمان ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر بہن کے گھر گئے اور بہنوئی کو پیٹنا شروع کر دیا۔ بہن نے چھڑایا تو انہیں بھی مارا۔ ان دونوں نے کہا کہ کچھ بھی ہو، ہم اسلام نہیں چھوڑیں گے تو آپ نے کہا کہ تم جو کچھ پڑھ رہے تھے مجھے بھی سناؤ۔

جب قرآن مجید کی کچھ آیات سنیں تو حالت بدل گئی۔ آپ پر اس قدر اثر ہوا کہ اسی وقت بہنوئی کو ساتھ لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ اس وقت سے آپ اسلام کے بہت بڑے خادم، جاں نثار اور شیدائی ہو گئے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کے مسلمان ہونے کے لیے خاص طور پر دعا کیا کرتے تھے۔ ان کا اسلام قبول کرنا اور ہجرت کرنا مسلمانوں کے لیے بہت بڑی غیبی امداد تھی۔ غزوۂ بدر، غزوۂ اُحد، غزوۂ خندق، بیعت رضوان، غزوۂ خیبر اور فتح مکہ میں برابر شریک ہوئے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر آدھا مال خدا کی راہ میں پیش کر دیا۔ کئی بار ان کی رائے

کی تائید میں وحی نازل ہوئی ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت

خلیفۂ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیماری کے دوران مہاجرین اور انصار سے مشورہ کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام خلافت کے لیے تجویز کیا ۔ پھر عام مسلمانوں کو بھی اپنی اس رائے سے مطلع کیا ۔ اس تجویز پر سب متفق ہو گئے اور سب نے خلیفۂ اول کی وفات کے بعد آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی ۔ آپ نے پہلے خطبے میں فرمایا :

”اے لوگو ! میں بھی تمھاری طرح ایک انسان ہوں ۔ اگر مجھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نافرمانی کا ڈر نہ ہوتا تو میں تمھارا حاکم بننا کبھی پسند نہ کرتا ۔ امن ، سلامتی اور دیانتداری اختیار کرنے والوں کے لیے میں بہت ہی نرم ہوں مگر یاد رکھو کہ میں ظالموں کو حرف غلط کی طرح مٹا دوں گا“۔

وہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو کل تک انتہائی سخت مزاج تھے خلافت کا بوجھ پڑتے ہی حد درجہ نرم مزاج ہو گئے ۔

خاکساری کا عالم یہ تھا کہ غریب اور بیوہ عورتوں کے گھروں میں جا کر ان کا کام کرتے ۔ مجاہدوں کو ان کی بیویوں کے خطوط لکھ کر بھیجتے ۔ تھک جاتے تو

زمین کے فرش پر ہی لیٹ جاتے۔ میدان جنگ سے ڈاک آتی تو خود گھر گھر جا کر تقسیم کرتے اور رات کو مدینے کی گلیوں میں پہرہ دیتے ۔ ایک ایک گھر میں جا کر ان کا حال پوچھتے ۔

حضرت عمر فاروق رض کی فتوحات

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے کی فتوحات اس قدر ہیں کہ ان کو مختصر لکھنے کے لیے بھی پوری کتاب درکار ہے ۔ ہم یہاں انتہائی اختصار سے فہرست پیش کرتے ہیں :-

(۱) فتح عراق ۔ آپ نے خلافت سنبھالی تو عراق اور شام میں جنگ چھڑی ہوئی تھی ۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ شام کی طرف متوجہ ہوئے تو عراق والوں نے بغاوت شروع کر دی ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوعبید بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کے ماتحت چند ہزار کی فوج عراق کی طرف روانہ کی ۔ یہاں ایران کے ایک مشہور پہلوان جابان سے مقابلہ ہوا ۔ کئی جگہ مسلمانوں نے فتح پائی ۔ اسلامی سپہ سالار مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے ایرانیوں کو ۱۳ ہجری میں بویب کے مقام پر شکست دی ۔

(۲) فتح شام ۔ ۱۳ ہجری میں ابو عبیدہ بن الجرّاح

رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں دمشق فتح ہوا ۔ اس کے بعد فحل ۱۴ ہجری میں فتح ہوا ۔ یہاں سے فارغ ہو کر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ حمص کی طرف بڑھے چنانچہ حماۃ ، حلب ، الطاکیہ اور طبریہ و غیرہ شہروں پر قبضہ کر کے شام کی فتح مکمل کر لی ۔

(۳) جنگ قادسیہ ۔ بویب کی فتح کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۴ ہجری میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی سر کردگی میں بیس ہزار فوج روانہ کی ۔ سب سے پہلے اسلام کے مبلغ ایران کے سپہ سالار رستم کے پاس اسلام کی دعوت لے کر گئے ۔ پھر شہنشاہ ایران یزد گرد کے دربار میں گئے ۔ وہاں سے صاف جواب ملا تو مورچے درست کیے گئے ۔

قادسیہ کے میدان میں تین دن تک متواتر جنگ ہوئی ۔ ہاتھیوں سے مقابلہ تھا ۔ مگر مسلمانوں کی ہمت کے سامنے ہاتھی بھی پلٹ گئے ۔ رستم مارا گیا اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا ۔ یہ اسلام کی بہت بڑی فتح تھی ۔

قادسیہ کی فتح کی خبر سننے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ روزانہ مدینے سے باہر آ بیٹھتے اور قاصد کا انتظار کرتے رہتے ۔ ایک دن قاصد باہر ہی مل گیا ۔ وہ آپ کو نہ پہچانتا تھا قاصد سواری پر بیٹھا حالات بتاتا جا رہا تھا اور آپ پا پیادہ

ساتھ چلتے جا رہے تھے -

(۴) فتح مدائن - مدائن ایران کا پایۂ تخت تھا - قادسیہ کے بعد مسلمانوں نے ۱۵ ہجری میں اس کی طرف رخ کیا - ایرانیوں نے دجلہ کا پل توڑ دیا تھا - مسلمان دریا عبور کر گئے - شہنشاہ ایران شہر چھوڑ کر بھاگ گیا اور شہر مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا -

(۵) فتح فلسطین - دوسری طرف عمرو بن عاص اور شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہما رومی لشکروں کا مقابلہ کر رہے تھے - ۱۵ ہجری میں اجنادین کی مشہور جنگ ہوئی - چھوٹے بڑے شہروں کو فتح کرتے ہوئے اسلامی فوج بیت المقدس تک جا پہنچی -

بیت المقدس کے لوگوں نے محاصرے کے بعد صلح پر آمادگی ظاہر کی - شرط یہ پیش کی کہ امیر المومنین خود آ کر معاہدہ کریں - آپ ۱۶ ہجری میں بیت المقدس تشریف لائے - شہر والوں نے جنگ کیے بغیر شہر کی کنجیاں آپ کے حوالے کر دیں - شہر میں داخلہ یوں ہوا کہ اونٹ پر آپ کا غلام بیٹھا تھا اور اونٹ کی مہار آپ کے ہاتھ میں تھی -

(٦) ایران کی فتح - مدائن کے بعد مسلمانوں نے دوسرا شہر جلولاء فتح کیا - یہاں سے بھاگ کر یزد گرد نے حلوان میں پناہ لی - یہ شہر بھی مسلمانوں نے ۱۶ ہجری میں فتح کر لیا - انھی دنوں الجزیرہ اور خوزستان میں فتوحات حاصل

ہوئیں ۔ آخری جنگ نہاوند کے مقام پر ہوئی ۔ ۲۱ ہجری میں یہ شہر بھی فتح ہوا اور ایران کی مکمل فتح ہو گئی ۔

(۷) فتح مصر ۔ ان فتوحات کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اسلامی فوجوں کے دوسرے سپہ سالار عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مصر جیسا وسیع ملک عطا فرمایا ۔ مصر کا آخری شہر اسکندریہ تھا ۔ یہاں پچاس ہزار رومی سپاہیوں کو اسلام کے قریباً پندرہ ہزار مجاہدوں نے ۲۰ ہجری میں شکست دی اور اس کے باوجود اس فتح کو " صلح کی فتح " قرار دیا اور شہر والوں کو امن کا معاہدہ لکھ کر عطا کیا ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نظام حکومت

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت راشدہ کا بہترین دور تھا ۔ اسلامی فتوحات کے ساتھ ساتھ ملکی انتظامات اور لوگوں کے فائدے کے لیے جس قدر کام اس زمانے میں ہوئے وہ اپنی مثال آپ ہیں ۔

طرز حکومت

جمہوری تھا ۔ تمام معاملات باہمی مشورے سے طے پاتے ۔ کبھی عام مسلمانوں کو مسجد نبویؐ میں جمع کر کے ان سے بھی مشورہ لیا جاتا ۔ اتنی بڑی سلطنت کے حکمران ہونے کے باوجود ایک بڑھیا کو بھی آپ پر اعتراض کرنے کا پورا پورا حق حاصل تھا ۔ تمام معاملات مسجد میں بیٹھ کر طے ہوتے تھے ۔

انتظام سلطنت

پوری اسلامی حکومت کو دس صوبوں میں تقسیم فرما دیا تھا ۔ ہر صوبے میں حاکم صوبہ (گورنر) ، میر منشی ، پولیس افسر ، افسر مال ، قاضی اور خزانچی ہوتے تھے ۔ آپ ہر عہدیدار سے یہ عہد لیتے تھے :-

۱۔ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوں گا ۔
۲۔ باریک کپڑا نہ پہنوں گا ۔
۳۔ چھنا ہوا آٹا نہ کھاؤں گا ۔
۴۔ اپنے دروازے پر دربان مقرر نہ کروں گا ۔
۵۔ حاجت مندوں کے لیے ہر وقت اپنا دروازہ کھلا رکھوں گا ۔

محکمہ عدالت

نہایت عادل اور نیک قاضی ، جج اور مجسٹریٹ مقرر فرمائے ۔ مقدمات کا فیصلہ مسجد میں بیٹھ کر کیا جاتا ۔

فوج کا محکمہ

باقاعدہ مقرر کیا ۔ مجاہدوں کے نام رجسٹروں میں درج ہوئے ۔ تنخواہیں اور عہدے مقرر کیے ۔ سپاہیوں کے بیوی بچوں کو وظیفے دیے گئے ۔ آپ گھر گھر جا کر خود ان کے اہل و عیال کی خیریت معلوم کرتے ۔ ہر سپاہی کو چار ماہ کے بعد گھر آنے کے لیے چھٹی دی جاتی تھی اور ہفتے میں ایک دن آرام کا ہوتا تھا ۔

مالی انتظامات

آمدنی کی مدّیں مندرجہ ذیل تھیں :-

۱- خراج جو کاشتکاروں سے وصول ہوتا ۔

۲- جزیہ یعنی وہ ٹیکس جو غیر مسلم شہری اپنی حفاظت کے طور پر ادا کرتے تھے ۔

۳- ہر ایک فارغ البال مسلمان سے زکٰوۃ وصول کی جاتی تھی ۔

۴- مال غنیمت جو میدان جنگ سے وصول ہوتا اس کا پانچواں حصہ بیت المال میں جمع ہوتا ۔

۵- عشر یعنی وہ ٹیکس جو زرعی پیداوار اور جانوروں پر لگایا جاتا تھا ۔

تمام آمدنی بیت المال میں جمع ہوتی - یہیں سے ہر ضرورت مند کو وظائف ملتے ۔ حتیٰ کہ بچوں ، اندھوں اور معذوروں کو برابر تنخواہ دی جاتی ۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ آپ کی پوری سلطنت میں کوئی بھوکا ننگا نہ رہا ۔

دوسرے محکمے

آپ نے پولیس ، جیل ، ڈاک اور محکمۂ دیوانی وغیرہ ناموں کے مستقل جدا جدا محکمے قائم کیے ۔ چار مختلف نہریں کھدوائیں ۔ مسافر خانے تعمیر کرائے ۔ مکّے اور مدینے کے درمیان ڈاک چوکیاں بنوائیں ۔

سال ہجری کا آغاز

سال ہجری کا آغاز بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کیا ۔ اس سے قبل عربوں میں کوئی سَن رائج نہ تھا ۔

اوّلیات فاروقی

حضرت عمرؓ نے بہت سی مالی و ملکی ۔ سیاسی وانتظامی ۔ تمدنی و معاشرتی باتیں تجویز و ایجاد فرمائیں ۔ ان کو اوّلیات فاروق کہا جاتا ہے ۔ مثلاً :۔

(۱) بیت المال یا سرکاری خزانہ باقاعدہ طور پر قائم کیا ۔

(۲) سن ہجری قائم کیا ۔

(۳) امیرالمؤمنین کا لقب اختیار کیا ۔

(۴) فوج کے لئے باقاعدہ دفتر کھولا ۔ مالی دفتر الگ قائم کیا ۔

(۵) رضا کاروں کی تنخواہیں مقرر کیں ۔

(۶) ملک کی پیمائش کا قاعدہ جاری کیا ۔

(۷) مردم شماری کرائی ۔

(۸) نہریں کھدوائیں ۔ کوفہ ۔ بصرہ ۔ فسطاط وغیرہ کئی شہرآباد کئے ۔

(۹) جیل خانہ اور پولیس کا محکمہ قائم کیا ۔ درّہ کا استعمال کیا ۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے پہلے عثمان رضی اللہ عنہ سے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کیا۔ غزوۂ بدر کے زمانے میں ان کے انتقال کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے اپنی دوسری صاحبزادی اُم کلثوم رضی اللہ عنہا ان کے عقد میں دے دیں - جن لوگوں نے شروع زمانے میں حبشہ کی طرف ہجرت کی ان میں سے ایک آپ بھی تھے -

آپ نے اسلام کے لیے جانی اور مالی دونوں طرح کی قربانیاں دیں - مدینے میں پانی کی بہت زیادہ قلّت تھی - آپ نے بیس ہزار درہم میں ایک میٹھا کنواں ایک یہودی سے خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا - جنگ تبوک میں نقد دس ہزار دینار، ایک ہزار اُونٹ اور ستّر گھوڑے مع ساز و سامان حضور صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی خدمت میں پیش کیے -

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر کے سوا تمام جنگوں میں برابر شریک رہے - صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی طرف سے اہل مکّہ کے پاس سفیر کی حیثیت سے گئے - جب اُن کی شہادت کی غلط افواہ اُڑی تو حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے ان کا بدلہ لینے کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیعت لی -

خلافت کا انتخاب

جب دوسرے خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا آخری وقت قریب آ گیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان سے خلیفہ نامزد کرنے کی درخواست کی ۔ انھوں نے چھ صحابہ رض کی ایک کمیٹی مقرر کی اور فرمایا کہ یہ لوگ آپس میں مشورہ کر کے اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ مقرر کر لیں ۔ اُن اصحاب رض کے نام یہ ہیں :۔

حضرت عثمان بن عفّان ، حضرت علی ، حضرت زبیر ، حضرت طلحہ ، حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی و قاص رضی اللہ عنہم ۔ لیکن اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بھی مشورے کے لیے ان کے ساتھ کر دیا مگر وصیت کر دی کہ انھیں خلیفہ منتخب نہ کیا جائے ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یہ حضرات ایک مکان میں جمع ہوئے ۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے خلافت سے اپنا نام واپس لے لیا ۔ سب نے انھیں اختیار دے دیا کہ وہ کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر دیں ۔ انھوں نے تین دن تک اُمیدواروں کے علاوہ شہر کے سمجھ دار لوگوں سے اور لشکروں کے سپہ سالاروں سے مشورہ کیا ۔ پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت

کا اعلان کر دیا ۔ سب سے پہلے خود بیعت کی ، اُن کے بعد دوسرے لوگوں نے بیعت کی ۔

یہ واقع ۲۴ ہجری مطابق ۷ نومبر ۶۴۴ عیسوی کا ہے ۔ آپ نے خلافت کا پہلا خطبہ دیتے ہوئے لوگوں کو آخرت کی زندگی یاد دلائی اور نصیحت کی کہ دنیا پر فریفتہ نہ ہوں ۔

حضرت عثمانؓ کی فتوحات

ایران کے بعض علاقوں میں گڑبڑ پیدا ہوئی ۔ آپ نے سب سے پہلے اسے ختم کرنے کی طرف توجہ کی ۔ اس کے ساتھ ہی اسلامی فتوحات کا سلسلہ شروع کیا ۔

(۱) آذر بیجان و آرمینیا - یہ علاقے از سر نو فتح ہوئے۔ یہاں کے باشندوں نے بغاوت کر دی تھی - وہ ولید بن عقبہؓ کے ہاتھوں دوبارہ ۲۵ھ میں فرمان بردار ہوئے ۔

(۲) مصر کی فتح - رومیوں نے اپنے بحری بیڑے سے مصر کے شہر اسکندریہ پر حملہ کر دیا اور شہر میں عربوں کے خلاف بغاوت کرا دی ۔ یہ حالات دیکھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو دوبارہ سپہ سالار اور والی مقرر کر دیا ۔ چنانچہ ۲۵ ہجری میں مسلمان دوبارہ غالب آ گئے ۔

(۳) طرابلس کی فتح - ۲۷ ہجری میں عبداللہ بن سعد

دے -

رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ہوئی - افریقہ میں
بن زبیر رضی اللہ عنہ نے نمایاں خدمات انجام دیں
کا بادشاہ گریگری (جُر جیر) مارا گیا -

(۴) قبرس اور روڈس کی فتح - ۲۸ ہجری میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ہوئی - مسلمانوں کے بحری بیڑے نے ان علاقوں کو فتح کیا -

(۵) طبرستان کی فتح - سعیدؓ بن عاص کے ہاتھوں ۳۰ ہجری میں ہوئی - شاہ جرجان نے دو لاکھ درہم سالانہ ادا کرنے کا وعدہ کیا -

(۶) خراسان کی فتح - اس کے لیے عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے - انھوں نے تھوڑی مدت میں ہی تمام شورشیں ختم کر کے ۳۱ ہجری میں مرو ، نیشا پور اور ہرات وغیرہ شہر نئے سرے سے فتح کیے -

(۷) طخارستان کا علاقہ مکمل طور پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلامی حکومت کے تحت آیا - جرجان ، رے ، بلخ اور ماوراء النہر کے علاقے فتح ہوئے - خراسان کی فتح کے بعد ایک دہقان کے ہاتھوں ایران کا بادشاہ یزد گرد ۳۱ ہجری میں قتل ہوا اور اس طرح ایران کے ساسانی خاندان کا خاتمہ ہو گیا -

اس کے بعد تیونس ، مراکش ، اور الجزائر کے علاقے مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے ۔

تعلیمی و رفاہی کام

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک بہت بڑی خدمت "مصحف عثمانی رض" ہے - آپ کو حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوا کہ دور دراز کے علاقوں کے مسلمان قرآن مجید مختلف قراءتوں میں تلاوت کرتے ہیں - ان مختلف لہجوں میں قرآن شریف پڑھنے سے ڈر تھا کہ الفاظ اور ان کے معنوں میں اختلاف نہ پیدا ہو جائے ۔

آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورے سے اُمّ المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے وُہ مصحف منگوایا جو حضرت ابوبکر صدیق رض کے زمانے میں جمع کیا گیا تھا اور اس کی کئی نقلیں تیار کر کے مختلف علاقوں میں روانہ کیں ۔

آپ نے تنخواہوں میں اضافہ کیا اور تنخواہ کے علاوہ راشن بھی بڑھا دیا ۔

بحری بیڑا تیار کرنے کی اجازت دی ۔ اس جدید اسلامی بیڑے نے اس قدر ترقی کی کہ قیصر روم کے چھ سو جہازوں کو شام کے ساحل پر بری طرح شکست ہوئی ۔

آپ نے بہت سی عمارتیں ، سڑکیں ، مسافر خانے اور سرائیں بنوائیں ۔ خیبر کی جانب مدینے سے باہر ایک بند

بنوایا ۔ رفاہ عامہ کے اور بھی بہت سے کام سر انجام دے ۔

فتنہ اور شہادت عثمان رض

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حد درجہ نرم مزاج اور بردبار تھے ۔ اس طریق کار کی وجہ سے بعض لوگوں کو ہاتھ پیر پھیلانے کا موقع مل گیا ۔ عبداللہ بن سبا یہودی نے خاص طور پر آپ کے خلاف بغاوت اور شورشوں کا ایک طوفان کھڑا کر دیا ۔ آپ کے خلاف طرح طرح کے جھوٹے سچے الزام تراشے اور لوگوں کے دلوں میں غلط فہمیاں پیدا کر دیں ۔

آپ کی خلافت کے آخری چھ سال ان شورشوں اور اندرونی فتنوں کی نذر ہو گئے ۔ اس فتنے نے اس قدر خوفناک صورت اختیار کر لی کہ باغی مدینے میں اکٹھے ہو گئے ۔ ان لوگوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور کئی دن تک گھیرے رکھا ۔

شہادت

آپ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے کہ ۱۸ ذوالحجہ ۳۵ ہجری کو ۸۲ سال کی عمر میں آپ کو شہید کر دیا گیا ۔

آپ کی شہادت سے اسلامی اتحاد کو بہت نقصان پہنچا اور ایسا انتشار پھیلا کہ پھر کبھی مسلمانوں کا شیرازہ پہلے کی طرح مجتمع نہ ہو سکا ۔ رضی اللہ عنہ ۔

خلیفۂ چہارم

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

(زمانۂ خلافت ۳۵ تا ۴۰ ہجری مطابق ۶۵۶ تا ۶۶۱ عیسوی)

ابتدائی حالات

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوالحسن اور ابوتراب تھی اور لقب حیدر کرار اور اسد اللہ - آپ ابوطالب کے بیٹے یعنی رسول خدا صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے چچا زاد بھائی تھے۔ آپ کی پرورش اور تربیت آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم ہی کے زیر سایہ ہوئی تھی - آٹھ یا دس برس کی عمر میں اسلام قبول کر لیا - نوعمروں میں سب سے پہلے آپ ہی مسلمان ہوئے تھے -

فضائل

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بچپن سے آخری عمر تک اسلام کے لیے جہاد میں مصروف رہے - حضرت رسول اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے جب مدینے کو ہجرت فرمائی تو کفار کی امانتیں واپس کرنے کے لیے آپ کو اپنے بستر پر لٹا دیا - غزوۂ تبوک کے سوا آپ نے ہر جنگ میں شرکت کی - خیبر کا قلعہ جو کسی طرح فتح نہیں ہو رہا تھا آخرکار آپ ہی کے ہاتھوں فتح ہوا -

علم و فضل میں آپ کا کوئی جواب نہ تھا ۔ مشکل سے مشکل مسئلہ اور پیچیدہ سے پیچیدہ معاملہ آپ آسانی سے حل فرما دیتے تھے ۔ شہسواری اور شجاعت میں آپ کی شہرت مانی ہوئی تھی اور قوت حیدری اور شمشیر حیدری کے الفاظ آج تک بطور محاورہ استعمال ہوتے ہیں ۔

۲ ہجری میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا آپ سے نکاح کر دیا ۔

خلافت کا انتخاب

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد لوگوں نے آپ سے خلافت قبول کرنے کی درخواست کی - پہلے آپ نے معذرت چاہی ، آخر لوگوں کے بار بار اصرار پر آپ نے قبول کر لی ۔ اس وقت مدینے میں ایک بڑا فتنہ پھیلا ہوا تھا ۔ باغی زوروں پر تھے ہر طرف بد امنی کا دور دورہ تھا ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مشکلات

آپ کے لیے سب سے پہلا اور سب سے مشکل مسئلہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا تھا - حضرت طلحہ ، حضرت زبیر اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے خاص طور پر مطالبہ کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو سزا دی جائے ۔

آپ نے فرمایا کہ خلافت مضبوط ہونے کے بعد ہی کوئی صورت پیدا ہوسکے گی مگر یہ اصحاب رض مطمئن نہ ہوئے اور اختلاف اس حد تک بڑھا کہ آپس میں جنگ تک کی نوبت آ گئی اور مسلمانوں کی تلواریں مسلمانوں کے خلاف نکل آئیں -

حاکموں کی معزولی

سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلیفۂ سوم کے زمانے کے بعض حاکموں کو معزول کر دیا - حالات اگرچہ موافق نہ تھے لیکن آپ ان لوگوں سے حد درجہ بیزار تھے - شام کے حاکم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سوا تمام حکام نے آپ کے احکام کی اطاعت کی لیکن انھوں نے ٹال مٹول سے کام لیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے بدلے کا مطالبہ شروع کر دیا -

امیر معاویہ رض کی مخالفت

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دمشق کی جامع مسجد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون آلود کپڑے اور ان کی اہلیہ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا کی کٹی ہوئی انگلیاں دکھا کر لوگوں کو بھڑکایا اور قصاص عثمان کے نعرے پر کافی جماعت اکٹھی کر لی ، یہاں تک کہ کھلم کھلا جنگ کی نوبت آ گئی - ان حالات نے مسلمانوں کی قوت کو بہت ہی کمزور کر دیا -

جنگ جمل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حج کے لیے مکہ معظمہ گئی ہوئی تھیں - لوگوں نے انھیں وہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ ایسے انداز میں پہنچایا کہ وہ قاتلوں سے بدلہ لینے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف احتجاج پر آمادہ ہو گئیں - اس احتجاج میں اور لوگ بھی شامل تھے - چنانچہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ سے پندرہ سو آدمیوں کو لے کر بصرہ کی طرف روانہ ہوئے - راستے میں اور بھی بہت سے آدمی ان کے ساتھ ہو گئے اور انھوں نے بصرے پر قبضہ کر لیا -

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان حالات کا علم ہوا تو وہ سنہ ٣٦ ہجری میں بھاری فوج لے کر بصرے کی طرف بڑھے - کوفے کی فوجیں بھی ساتھ ہو گئیں - بصرے پہنچ کر صلح کی گفتگو شروع ہوئی - مگر شریر لوگوں نے رات کی تاریکی میں مخالف فریق پر حملہ کر دیا - اس طرح نہایت خوفناک جنگ شروع ہو گئی - دونوں طرف سے بے شمار مسلمان کام آئے - حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے محمدؐ بھی شہید ہو گئے -

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ چونکہ اس جنگ میں ایک اونٹ پر سوار تھیں ، اس لیے اس کو جنگ جمل (آونٹ والی

لڑائی) کہتے ہیں ۔ انھوں نے شکست کھائی مگر حضرت ع
رضی اللہ عنہ نے انھیں بڑی عزت کے ساتھ مکّہ مکرمّہ
روانہ کر دیا ۔

دارالخلافہ کی تبدیلی

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس وقت کے حالات کے پیش ن
مدینے کی بجائے کوفے کو اپنا دارالخلافہ بنایا اور یہ
سے امیر معاویہ رض کو بیعت اور اطاعت کے لیے پیغام بھیجا

جنگ صفّین

امیر معاویہ رض نے آپ کی خلافت تسلیم کرنے سے ان
کر دیا اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اپنے سا
ملا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے بدلے کا مط
زور شور سے شروع کر دیا ۔

آخر حضرت علی رض اور حضرت امیر معاویہ رض کی فوجیں ماہ ص
۳۷ ہجری میں صفّین کے میدان میں مقابل ہوئیں ۔ یہ مح
ایک جھڑپ نہ تھی بلکہ انتہائی خوفناک جنگ تھی جو کئی
ماہ جاری رہی ۔ دونوں طرف سے ہزاروں مسلمان مارے گئے
جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک دن دیکھا کہ ان
فوجوں کو شکست ہونے والی ہے تو انھوں نے شکست سے
بچنے کے لیے اپنے سپاہیوں کو قرآن مجید دے کر آگے بڑھایا

اعلان کرا دیا کہ آؤ اللہ کے کلام سے فیصلہ کر لیں ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی اس دھوکے میں آ گئے اور جنگ سے رک گئے ۔

حَکَمَین کا فیصلہ

طے پایا کہ فریقین سے ایک ایک آدمی بطور حَکم ، یعنی ثالث لے لیا جائے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ "حَکم" مقرر ہوئے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سادہ مزاج بزرگ تھے ۔ وہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی باتوں میں آ گئے اور اعلان کر دیا کہ میں اپنے بزرگ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو معزول کرتا ہوں ۔

طے یہ ہؤا تھا کہ یہی اعلان عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بھی کر دیں گے ۔ مگر انھوں نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تو میں بھی معزول کرتا ہوں مگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں ۔ اس اعلان سے بہت ہنگامہ ہُوا اور اختلاف میں مزید اضافہ ہو گیا ۔

خوارج کا ظہور

شامی لوگ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے ۔ باقی تمام مسلمان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے ۔ ان میں سے اب کچھ لوگ ان دونوں حضرات کے مخالف ہو گئے ۔ انھیں "خوارج" کہا جاتا ہے ۔ ان لوگوں نے عبداللہ بن وہب راسبی کو اپنا امیر بنایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کھلم کھلا مخالفت شروع کر دی ۔

نہروان کی جنگ

نہروان کے مقام پر ۳۷ ہجری میں خارجیوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سخت جنگ ہوئی ۔ خارجیوں کی کافی تعداد ماری گئی اور آپ کو مکمل فتح ہوئی ۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۳۸ ہجری میں مصر پر حملہ کرکے اس ملک پر قبضہ کر لیا ۔ پھر ۴۰ ہجری میں حجاز کی طرف بھی اپنے آدمی بھیج دیے اور یمن کے علاقے پر بھی اپنا قبضہ کر لیا ۔

شہادت

خوارج حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شدید مخالف تھے مگر یہ لوگ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے بھی خوش نہ تھے ۔ خوارج کے تین جوشیلے ممبروں نے

آدمیوں نے ان تینوں حضراتؓ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس مقصد کے لیے چل پڑے ۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عاص کے ارادۂ قتل سے جانے والے ناکام ہوئے ۔

عبدالرحمٰن ابن ملجم خارجی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے چلا تھا ۔ اس نے موقع پا کر ۱۹ رمضان ہنہ ۴۰ ہجری کو کوفے کی مسجد میں نماز فجر کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ کیا ۔ زخم کاری آیا ۔ ۲۱ رمضان کو آپ زخموں کی تاب نہ لا کر ۶۳ سال کی عمر میں اللہ کو پیارے ہو گئے اور اسلام اپنے ایک بہادر اور نیک دل خلیفہ سے محروم ہو گیا ۔ رضی اللہ عنہ ۔

خلیفۂ پنجم

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

(زمانۂ خلافت ۴۰ تا ۴۱ ہجری مطابق ۶۶۱ تا ۶۶۲ عیسوی)

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بڑے نواسے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لخت جگر اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند تھے۔ رمضان المبارک سنہ ۳ ہجری میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کا نام حسن (رضی اللہ عنہ) رکھا اور پیدائش کے ساتویں دن ان کا عقیقہ کیا۔

حضرت رسول اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اپنے نواسے امام حسن رضی اللہ عنہ سے بڑی محبت تھی۔ ان کو دیکھنے کے لیے بیٹی کے گھر اکثر تشریف لے جاتے، گود میں لیتے، کندھوں پر بٹھاتے اور پیار کرتے۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کے فضائل بہت ہیں۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کئی بار فرمایا "حسن اور حسین علیہما السلام جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں"۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: "میرا یہ بیٹا

سردار ہے۔ خدا تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہوں میں مصالحت کرائے گا "۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں امام حسن علیہ السلام کا وظیفہ پانچ ہزار سالانہ مقرر فرمایا ۔ اس وقت آپ کم سن تھے ۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں آپ نے بہت سی جنگوں میں شرکت کی ۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت بہت زور پکڑ گئی اور باغیوں نے دروازے سے گھس کر ان کو شہید کرنا چاہا تو حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ دونوں آپ کے دروازے پر پہرہ دے رہے تھے ۔ انھوں نے باغیوں کو اندر نہ جانے دیا ۔

حضرت امام حسنؓ اپنے والد ماجد حضرت علیؓ کے زمانے میں ملک اور فوج کے انتظامات میں پیش پیش رہے اور نمایاں کارنامے انجام دیے ۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد آپ خلیفہ منتخب ہوئے ۔ تقریباً چھ ماہ آپ کی خلافت کا زمانہ رہا پھر آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دست بردار ہو گئے ۔

آپ نے ۵۰ یا ۵۱ ہجری میں وفات پائی ۔ رضی اللہ عنہ ۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے نواسے اور شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دوسرے فرزند تھے۔

۴ شعبان سنہ ۴ ہجری کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے گود میں لے لیا۔ بچے کے منہ میں چوسنے کے لیے اپنی زبان رکھ دی اور حسینؓ نام رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو امام حسینؓ سے بے حد محبت تھی۔ اکثر انھیں گود میں لیتے، کاندھے پر بٹھاتے اور گلے سے لگاتے۔ ایک مرتبہ حضورصؐ نے فرمایا " حسینؓ مجھ سے ہیں اور میں حسینؓ سے ہوں "۔ ایک مرتبہ فرمایا " حسن اور حسینؓ جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں " ایک اور موقع پر یہ بھی فرمایا " حسن اور حسین رضی اللہ عنہما میرے باغ کے پھول ہیں۔"

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اسلام کا نام بلند کرنے کے لیے اپنا سب کچھ لُٹا دیا اور اسلام کا جھنڈا سربلند رکھنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی اور اہل بیت سمیت اپنے آپ کو شہادت کے لیے پیش فرما دیا۔

خلیفہ یزید بن معاویہ کی فوجوں کے ساتھ کوفہ کے قریب میدان کربلا میں آپ کا مقابلہ ہوا ۔ ان ظالموں نے چھوٹے بڑوں کو پانی کے ایک ایک قطرے کے لیے ترسایا ۔ لیکن آپ نے حق کی راہ میں یہ سب کچھ برداشت کیا ۔ ناحق بات کو قبول نہیں کیا اور باطل کے آگے سر نہ جھکایا ۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ صرف گنے چنے چند افراد رہ گئے تھے اور دوسری طرف بھاری لشکر تھا جو تیس ہزار پر مشتمل تھا ۔ اس کے باوجود آخر دم تک مقابلہ کیا ۔ آخر ۱۰ محرم سنہ ٦۱ ہجری کو شہادت پائی اور شہید کربلا کہلائے ۔ خاندان بھر میں حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی مرد زندہ سلامت نہ بچا - یہ حادثہ اسلامی تاریخ کا سب سے بڑا غم انگیز اور ہولناک واقعہ تھا - رضی اللہ عنہ

حضرت فاطمہؑ زہراء علیہا السّلام

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ حضورؐ کی بعثت سے قریباً پانچ سال پہلے مکّہ معظمہ میں پیدا ہوئیں ۔ بچپن کا زمانہ پیاری ماں ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی صحبت میں گزرا ۔ کم سنّی میں عام بچوں کی طرح کھیل کود کا شوق نہ تھا اور نہ کہیں آنا جانا پسند کرتی تھیں اسلئے آپ کو "بتول" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا یعنی دنیا سے بے رغبت ۔ اسکے علاوہ آپ کے اور لقب طاہرہ ۔ زکیّہ ۔ زہراء اور سیّدہ ہیں ۔ طاہرہ اور زکیّہ دونوں کے معنی تو پاک کے ہیں ۔ اور سیّدہ کا معنی ہے سردار ۔

آپ کو رسول پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے انتہائی محبت تھی ۔ اسلام کی راہ میں رسول اکرمؐ اور مسلمانوں کو جو تکلیفیں پیش آئیں وہ سب آپ کے سامنے گزریں اسلئے حضور اکرمؐ کی تکلیفوں کو دیکھ کر آپ آزردہ ہو جاتی تھیں ۔ رسول اکرمؐ کو بھی پیاری صاحبزدای سے بے پناہ محبت تھی ۔ آپؐ ہمیشہ سیّدہ فاطمہ کی دلجوئی فرمایا کرتے اور جب وہ ملنے کی لئے آتیں تو حضورؐ کھڑے ہو جایا کرتے ۔

خاندان نبوت میں اگرچہ بہت سے بزرگ افراد ہوئے ہیں لیکن ان سب میں فرد کامل سیّدہ فاطمہ علیہا السلام کی ذات گرامی ہے ۔ حضور اکرم ص نے آپ کی نسبت فرمایا کہ فاطمہ میری امت کی تمام عورتوں کی سردار اور حسن و حسین علیہما السلام جنت کے جوانوں کے سردار ہیں ۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ (سیّدہ) فاطمہؑ میرا پارۂ گوشت ہیں ۔

دنیا کی کوئی خاتون مرتبے میں سیدہ فاطمہؑ کے برابر نہیں ہوئی ۔ آپ کے والد افضل الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، آپ کی والدہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، آپ کے شوہر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور آپ کے صاحبزادے حضرت امام حسن اور سیدالشہداء حضرت امام حسین علیہما السلام ہیں ۔ گویا آپ بلحاظ بیٹی ۔ بیوی اور ماں ہر نقطۂ نظر سے امت مرحومہ کی عورتوں کے لئے کامل نمونہ ہیں ۔

آپ سادگی ۔ حیا ۔ راست بازی ۔ زہد اور سخاوت میں خاص شہرت رکھتی تھیں ۔ گھر کا سارا کام کاج اپنے ہاتھ سے کیا کرتیں ۔ تقویٰ اور عبادت آپ کا معمول تھا ۔ گھر کے فرائض سے جو وقت بچتا یاد الٰہی میں صرف ہوتا ۔

آپ کو یہ خاص شرف بھی حاصل ہے کہ صرف انہی سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلسلۂ نسل جاری ہے ۔

جو انشاءاللہ قیامت تک باقی رہیگا ۔

سیدہ فاطمہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی وفات کے بعد صرف چھ ماہ زندہ رہیں اور یہ چھ مہینے بھی آپ نے حضور کے غم میں رو دھو کر گزارے ۔ حضور اکرم ص کے بعد حضرت فاطمہ کے لبوں پر کسی نے مسکراہٹ نہ دیکھی آخر آپ نے ۱۱ ہجری کے ماہ رمضان المبارک میں قریباً ۳۰ برس کی عمر میں انتقال فرمایا ۔ وصیت کے مطابق آپ کا جنازہ رات کے وقت پردہ کر کے اٹھایا گیا ۔ اور آپ کو مدینہ منورہ کے مشہور قبرستان بقیع میں دفن کیا گیا ۔

اسلامی تعلیمات

۱ - احکام شرعیہ کے مصادر

الکتاب

''الکتاب'' سے مراد قرآن مجید ہے ، جو تمام اسلامی تعلیمات کا سرچشمہ اور ہمارے دین کی بنیاد ہے - قرآن کریم دنیا میں اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اس کے بعد آج تک نہ کوئی کتاب نازل ہوئی اور نہ قیامت تک نازل ہوگی -

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری کلام میں اس کا اعلان یوں فرمایا

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً ؕ (سورۂ مائدہ (۵) : ۳)

''آج میں تمھارے لیے تمھارے دین کو پورا کر چکا ہوں اور میں نے تم پر اپنی نعمت مکمل کر دی اور تمھارے دین کے لیے اسلام کو پسند کیا''۔ دین کے مکمل ہونے کا یہ وہ اعلان ہے جو دنیا کی کسی دوسری کتاب مین نہیں - ہم اس پر جس قدر فخر کریں بجا ہے -

قرآن مجید کو نازل ہوئے چودہ سو سال ہو چکے ہیں لیکن یہ کس قدر بڑا معجزہ ہے کہ اس مین ایک لفظ کی کمی بیشی نہین ہوئی ، اس کا ایک شوشہ بھی نہیں بدلا - یہ کتاب اپنی اصلی صورت میں اسی طرح موجود ہے اور قیامت تک

قرآن مجید میں آتا ہے وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (سورۂ نجم (۵۳) : ۳ - ۴) یعنی "وہ اپنی مرضی سے بات نہیں کرتے۔ یہ تو بھیجی ہوئی وحی ہے"۔

نبی معصوم ہوتے ہیں۔ ان سے گناہ سرزد نہیں ہوتے۔ ان کی زندگی سراپا رحمت ہوتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زندگی ہمارے لیے ایک بہترین نمونے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اخلاق و اعمال کو ہمارے لیے "اسوۂ حسنہ" قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (سورۂ احزاب:(۳۳) ۲۱) یعنی تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شخصیت میں اچھا نمونہ موجود ہے۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا کہ "اے نبی لوگوں سے کہہ دیجیے اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (سورۂ آل عمران (۳):۳۱)

"لوگو اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا"۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن کی طرح سنت رسول کا اتباع بھی لازم ہے

اس کے بغیر اللہ پر ایمان اور اس سے محبت کا دعویٰ جھوٹا ہے۔

تفسیر

قرآن مجید کی تشریح کو تفسیر کہتے ہیں اور جو شخص تفسیر و تشریح کرے اسے "مُفسّر" کہا جاتا ہے۔

قرآن پاک اللہ کا کلام ہے اور عربی زبان میں ہے اس کے سمجھنے کے لیے خاص قابلیت اور لیاقت درکار ہے۔ اس لیے ضرورت پڑتی ہے کہ اس کے ماہر اس کی تشریح کریں اور جن لوگوں کے اندر زیادہ استعداد نہیں انھیں سمجھائیں۔

قرآن مجید اپنی تفسیر خود کرتا ہے۔ اس کی ایک آیت دوسری آیت کی تشریح کرتی ہے۔ اس کے علاوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خود اپنی زبان مبارک سے بھی بہت سے موقعوں پر اللہ پاک کے کلام کی تشریح کی اور اپنے عمل سے بھی احکام کی وضاحت کر دی ہے۔

حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے اور پھر اُمت کے بہت سے علماء کرام نے قرآن مجید کی تفسیر و تشریح کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ دنیا میں شاید ہی کوئی بڑی زبان ہوگی جس میں قرآن مجید کی تفسیر نہ لکھی گئی ہو۔ یہی وجہ

اس کی تشریح اور تفصیل احادیث نبوی سے ہوتی ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں احکام نازل فرمائے ۔ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے ان احکام پر خود عمل کر کے دکھلایا اور جن باتوں کی تفصیل درکار تھی ، انھیں اپنی زبان مبارک سے سمجھایا ۔ اس طرح رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی احادیث کو کلام اللہ کے بعد دینی علم میں دوسرا درجہ حاصل ہے ۔ محدثین کرام نے احادیث نبوی کو کتابوں کی صورت میں جمع کر دیا ہے جن میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم خاص طور سے مشہور ہیں ۔

۸ فقہ

علم فقہ بھی دین کے ضروری علوم میں سے ہے ۔ اس علم کے ماہر اور عالم کو " فقیہ " کہا جاتا ہے جس کی جمع " فقہاء " ہے ۔

فقہ کے لفظی معنی " سمجھ " کے ہیں یعنی وہ سمجھ بوجھ جس کے ذریعے ایک عالم دین کے مسائل طے کرتا ہے اور مذہب کی گتھیوں کو سلجھاتا ہے ۔

انسانی زندگی میں ہر دم نئے سے نئے مسائل پیش آتے رہتے ہیں اور ہر گھڑی نئی سے نئی باتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں ۔ علم فقہ کے اندر ان مسائل کو قرآن و حدیث کی روشنی میں حل کیا

جاتا ہے - شہادت ، توحید و رسالت ، نماز، روزہ ، حجّ ، زکوٰة جہاد اور دوسری عبادات سے لے کر کاروبار ، لین دین ، شادی بیاہ ، نشست و برخاست ، خور و نوش ، غرض ہر مسئلے کی تفصیل فقہ کے اندر آ جاتی ہے - اس اعتبار سے اس علم کے جاننے سے دین کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں سہولت حاصل ہوتی ہے -

علم فقہ کی بنیاد اللہ پاک کی کتاب اور حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی احادیث پر ہے - اس موضوع پر عربی ، فارسی ، اردو اور دنیا کی دوسری زبانوں میں بے شمار کتابیں موجود ہیں - اپنی اپنی ضرورت کے مطابق ہر شخص کو ان کا مطالعہ کرنا چاہیے -

کلام

دینی علوم کے اندر علم کلام کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے - یہ علم اگرچہ قرآن و حدیث کی طرح دین کا بنیادی علم نہیں اور اسے فقہ جیسی اہمیت حاصل نہیں لیکن اپنے موضوع اور مضمون کے لحاظ سے بہت اہم اور مفید ہے -

علم کلام میں اسلام اور اس کے اصولوں کی حکمت بیان کی جاتی ہے اور عقلی طور پر ان کو ثابت کیا جاتا ہے - فلسفے پر اگرچہ دین کی بنیاد نہیں ہوتی لیکن اس کے ذریعے دین کا سمجھنا اور سمجھانا آسان ہو جاتا ہے - اگر کسی دین کے اصولوں کا فلسفے اور حکمت سے ثبوت نہ

دیا جا سکے ، تو اہل عقل اور فلسفہ دان لوگوں میں شبہات کی لہر دوڑ جاتی ہے -

علم کلام پر عربی اور فارسی میں متعدد کتابیں موجود ہیں اور دینی مدرسوں کے نصاب میں شامل ہیں - اردو زبان میں بھی چند کتابیں لکھی گئی ہیں - ان کتابوں کا مطالعہ دین کی سمجھ پیدا کرنے کے لیے بے حد مفید ہے - علم کلام کے ماہر کو متکلم کہا جاتا ہے -

۲ ـ بنیادی عقائد

اسلام

اسلام ہمارا دین ہے - یہ کوئی نیا دین نہیں بلکہ آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک یہ دین چلا آ رہا ہے - اللہ کے ہر نبی نے دین اسلام ہی کی دعوت دی تھی - اسلام کے ایک معنی تو اطاعت اور فرماں برداری کے ہیں - دوسرے معنی اپنے لیے سلامتی چاہنا اور دوسروں کو پناہ دینا ہیں - یہ دونوں معنی اسلام کی حقیقت اور اس کی تعلیم کو واضح کرتے ہیں -

اسلام سلامتی کا دین ہے اس کی بنیاد اللہ پاک کی کتاب قرآن مجید پر ہے - حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم اسلام کے آخری ہادی اور پیغمبر ہیں - جو لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضور صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی رسالت پر ایمان

لے آئیں اور اللہ اور رسول ص کے احکام پر عمل کریں وہ مسلمان کہلاتے ہیں ۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے هُوَسَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ (سورۂ حجّ (۲۲) : ۷۸) یعنی " اس (اللہ) نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے "۔

اسلام ایک مکمل دین ہے ۔ اس میں انسان کی دنیوی اور آخروی ہدایت کا پورا سامان موجود ہے ۔ انسانی زندگی کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کا حل سوچنے کی رہنمائی اسلام میں موجود نہ ہو ۔ اسلام دنیا کے اندر ایک عالمگیر برادری اور کامل معاونت چاہتا ہے ۔ یہ بات اس وقت حاصل ہو گی جب دنیا کی تمام قومیں اسلام کے کلمے پر جمع ہو جائیں گی اور حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کو اپنا ہادی مان لیں گی اور ان ص کی ہدایت پر عمل پیرا ہو جائیں گی ۔

ایمان

ایمان کے معنی یقین کر لینے کے ہیں ۔ کسی بات کی تصدیق کرنے کو لغت میں ایمان لانا کہتے ہیں ۔ یعنی نبی پر وحی کے ذریعے اللہ کا جو کلام اترا اور نبی ص نے جن اصولوں کی تعلیم دی ان کو دل سے مان لینے اور ان کے مطابق چلنے کے ارادے کا نام ایمان ہے ۔

بظاہر ایمان کا تعلق زبان سے معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں ایمان کا جس قدر تعلق زبان کے اقرار کے ساتھ ہے اس سے

زیادہ دل کے یقین اور انسان کے عمل کے ساتھ ہے - اس لیے ایمان کی تعریف یوں کی گئی ہے -

اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَ تَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ

یعنی " زبان سے اقرار کرنا اور دل سے تصدیق کرنا"

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے :

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا

(سورۂ نساء (۴) : ۱۳۶) "اے ایمان والو ! ایمان لاؤ۔" اس کا مطلب یہ ہوا کہ زبان سے اقرار کرنے والو ! دل کے ساتھ بھی تصدیق کرو - اس مضمون کی اور کئی آیتیں بھی قرآن مجید کے اندر موجود ہیں -

یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ ایک آدمی جب پورے یقین کے ساتھ کسی بات کااقرار کرتا ہے تو اس کا عمل بھی اس کے مطابق ہوتا ہے - گویا اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی باتوں کا اقرار، ان پر یقین، اور ان کے مطابق عمل کا ارادہ ، ایمان میں شامل ہیں -

ایمان ہی پر انسان کی نجات کا دار و مدار ہے - جس شخص کے اندر ایمان نہیں وہ کچھ بھی کرے اس کی نجات ممکن نہیں - ایمان لانا نیک بندوں کی فہرست میں داخل ہونے کی سب سے پہلی شرط ہے - مسلمان ہونے کے لیے کلمۂ طیبہ

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر ایمان لانا ضروری ہے ۔

توحید

دین کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی ہستی کے اقرار پر ہے ۔ چنانچہ اسلام کے بنیادی عقیدوں اور اجزائے ایمان کے اندر سب سے پہلا عقیدہ یہ ہے کہ انسان اللہ پاک پر ایمان لائے ۔ اسے ” ایمان باللہ “ کہتے ہیں ۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کو نہ مانے اسے ملحد ، دہریہ اور کافر کہا جاتا ہے ۔

درختوں کا پتا پتا اور ریت کا ذرہ ذرہ اس کی ہستی پر گواہ ہے ۔ دنیا کی ہر شے اس کا پتا دے رہی ہے ۔ خود ہمارا وجود اللہ تعالیٰ کے وجود کی گواہی دے رہا ہے ۔ اس کی مرضی کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا ۔ اگر اس کا اقرار نہ کریں اور اس کی باتیں نہ مانیں تو اس سے بڑی خرابی اور کیا ہوگی ؟

توحید سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے ۔ اس کا کوئی ساجھی اور مثل نہیں ۔ کوئی اس کا مدمقابل اور برابری کرنے والا نہیں ۔ نہ کوئی اس جیسا ہے اور نہ اس جیسی طاقتوں اور قدرتوں کا مالک ۔

اللہ تعالیٰ کو واحد ماننے سے مراد یہ ہے کہ وہ جس طرح اپنی ذات اور ہستی میں یکتا ہے اسی طرح اپنی صفات میں

بھی بے مثال ہے ۔ نہ کوئی اس کی ذات میں شریک ہے نہ اس کی صفات میں ساجھی ہے ۔ کیونکہ کوئی اور اس کی صفتوں کا مالک نہیں ہو سکتا ۔

اپنی ذات اور صفات کی طرح اللہ تعالیٰ اپنے امر اور اپنی قدرتوں کے اندر بھی بے مثال ہے ۔ اس کی قدرت کے مقابل کسی کی طاقت نہیں اور اس کے حکم کے سامنے کسی کی بات نہیں چل سکتی ۔ موٹی سی بات ہے کہ مخلوق اپنے خالق کا کیسے مقابلہ کر سکتی ہے ، اور غلام اپنے آقا کی برابری کیسے کر سکتا ہے ؟

دنیا کی بعض قوموں نے یہاں ٹھو کر کھائی کہ وہ اللہ پاک کی صفات اور قدرتوں کے اندر اس کی ادنیٰ مخلوق کو شریک بنا بیٹھیں ۔ انھوں نے اللہ کے بندوں کو ، چاند ، سورج ، ستاروں ، پہاڑوں ، دریاؤں ، جانوروں اور درختوں کو اللہ کا شریک بنا لیا ۔ اپنے ہاتھوں سے بت بنا کر انھیں خدائی کا درجہ دیا ۔ اس سے بڑی گمراہی اور کیا ہو سکتی ہے ؟ اللہ تعالیٰ واحد ہے اور اپنی ذات کی طرح اپنی صفات اور قدرتوں کے اندر بھی یکتا ہے ۔

رسالت

اللہ تعالیٰ نے انسان اور ساری کائنات کو پیدا کیا اسے زندہ اور قائم رکھنے کے لیے ضرورت کی تمام چیزیں پیدا

کیں ۔ پھر اسے چلانے کے لیے انسان کو ظاہری و باطنی حواس بخشے ۔ قوتیں عطا کیں ۔ دل و دماغ دیا اور عقل و دانش بخشی ۔

انسان کی یہ تمام قوتیں محدود ہیں ۔ وہ بہت سی گتھیاں اپنی کوشش سے نہیں سلجھا سکتا اور بہت سے راز اپنی عقل سے دریافت نہیں کر سکتا ۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں اپنے نبی اور رسول بھیجے ۔ اللہ کے پیغمبر ہر ملک میں آئے اور ہر قوم میں مبعوث ہوئے ۔ ان سب پر اللہ کا سلام ہو ۔

ہر نبی اور ہر رسول کو اللہ کریم کی طرف سے نبوت ملی اور انھوں نے اللہ کا پیغام اللہ کے بندوں کو پہنچایا ۔ اسے پیغمبری اور رسالت کہتے ہیں ۔ اگر اللہ پاک اپنے نبی نہ بھیجتا تو انسان اندھیرے میں رہ جاتا ۔ اسے شاید چلنا تو آتا مگر صحیح منزل کی طرف وہ کبھی نہ چل سکتا ۔ اس کے پاس عقل تو ہوتی مگر اس سے صحیح باتیں نہ سوچ سکتا ۔

انبیاء کا پیغام ہر قسم کے شک و شبہات سے پاک ہے ان کی بات اللہ کی بات ہے ۔ جو لوگ ان پر ایمان لائے وہ کامیاب ہو گئے اور جنھوں نے نہ مانا وہ کافر بنے ۔ اللہ کریم کے دشمن ٹھہرے اور جہنم کے مستحق ہوئے ۔

تمام نبی اللہ پاک کی طرف سے آئے اور اسی کا پیغام لے کر آئے۔ اس لیے ہم ان سب پر ایمان لاتے ہیں۔ اور ان سب کی عزت کرتے ہیں ، ان میں تفریق نہیں کرتے۔ وقت گزرنے کے ساتھ سابق انبیائے کرام کی تعلیمات میں تبدیلی ہوتی رہی اور اب بیشتر انبیاء علیہم السلام کے تذکرے بھی موجود نہیں ، ان کے پیغام اور کتابوں کا تو کیا ذکر ہے ، ان کے نام بھی محفوظ نہیں ہیں ، البتہ قرآن مجید میں پچیس انبیاء کے نام آئے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

آدمؑ ، ادریسؑ ، نوحؑ ، ابراہیمؑ ، لوطؑ ، اسمٰعیلؑ ، اسحاقؑ ، یعقوبؑ ، یوسفؑ ، شعیبؑ ، موسیٰؑ ، ہارونؑ ، یسعؑ ، ذوالکفلؑ ، ہودؑ ، صالحؑ ، داؤدؑ ، سلیمانؑ ، ایوبؑ ، الیاسؑ ، یونسؑ ، زکریاؑ ، یحییٰؑ ، عیسیٰؑ اور خاتم النبیین سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و علی جمیع الانبیاء والمرسلین۔

ختم نبوت

حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم تمام نبیوں کے آخر میں تشریف لائے ، آپؐ کو اللہ تعالیٰ کا آخری نبی ہونے کا شرف حاصل ہوا ، آپؐ کی ذات پر پیغمبری اور رسالت کی تکمیل ہوئی اور اس طرح آپؐ پر نبوت ختم ہو گئی

اللہ پاک نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید میں حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کو "خاتم النبیین" کا لقب دیا ہے

کے معنی ہیں ''سب نبیوں پر مہر ''۔

حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے خود بھی اعلان فرمایا : ''لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ'' میرے بعد اور کوئی نبی آنے والا نہیں ۔ آپ ؐ پر اترا ہوا قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور آپ ؐ کی امت آخری امت ہے ۔

حضور خاتمُ النبیین صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم سے پہلے بہت سے نبی آئے لیکن دنیا آج ان میں سے اکثر کے ناموں سے بھی باخبر نہیں ۔ قرآن مجید سے پہلے بہت سی کتابیں آئیں لیکن آج ان میں سے کوئی بھی اپنی اصل صورت میں محفوظ نہیں ۔ اس کے برعکس حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی زندگی کا ہر پہلو روز روشن کی طرح نمایاں ہے اور حضور صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم پر اتری ہوئی کتاب کا ایک ایک شوشہ محفوظ ہے ۔

فطرت کا قانون یہ ہے کہ جس چیز کی ضرورت نہیں رہتی وہ مٹا دی جاتی ہے اور جس شے کی ضرورت ہوتی ہے وہ باقی رکھی جاتی ہے ۔ پہلی کتابیں مٹ گئیں یا فراموش ہو گئیں اور جو رہ گئیں ان میں اس قدر ردوبدل ہو گیا کہ اصل صورت باقی نہ رہی ۔ ان کے مقابلے میں قرآن مجید بالکل محفوظ ہے ، اس کے الفاظ محفوظ ہیں ، معنی محفوظ ہیں ۔ یہ کتاب

اوراق کے علاوہ ہزاروں لاکھوں حافظوں کے سینوں کے اندر محفوظ ہے اور انشاء اللہ قیامت تک محفوظ رہے گی - اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خاتم النبیین ہیں، آپ صہ کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ کوئی کتاب آئے گی -

آخرت

مرنے کے بعد دوبارہ زندگی پانے کا عقیدہ بہت اہم ہے - ہماری یہ موجودہ زندگی عارضی ہے اور دوسری زندگی ہمیشہ رہنے والی ہے، اس لیے آخرت کی زندگی کو دائمی اور ابدی کہا جاتا ہے -

اس کائنات پر ایک ایسا دن آئے گا جب سب کچھ ٹوٹ پھوٹ جائے گا اور ہر شے ختم ہو جائے گی - قرآن مجید میں آتا ہے کہ ''اس دن لوگ منتشر اور پریشان پتنگوں کی طرح ہوں گے، پہاڑ دھنی ہوئی پشم کے مانند اڑتے پھرتے ہوں گے'' (سورۂ قارعہ)، زمین ہچکولے کھائے گی اس سے ایسے شدید زلزلے آئیں گے کہ ہر شے باہر نکل آئے گی، انسان حیران و پریشان رہ جائے گا کہ زمین کو آج کیا ہو گیا ہے -'' (سورۂ زلزال)

سب کچھ فنا ہو جانے کے بعد انسان دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور ان کے اعمال کا حساب کتاب ہو گا - اس دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا - نہ معاوضہ کام دے گا نہ

کوئی کسی کی مدد کر سکے گا - اپنے اعمال ہی کام آئیں گے اور جزا و سزا اعمال کے مطابق ہی ملے گی -

اس عقیدے کا نام "ایمان بالآخرت" ہے - اسلام نے اسے بنیادی عقیدہ قرار دیا ہے - جس شخص کو آخرت یاد رہتی ہے اس کی زندگی ہر قسم کی خرابیوں سے پاک ہو جاتی ہے - وہ ہر کام ذمہ داری اور جواب دہی کے احساس سے کرتا ہے - اگر آخرت یاد نہ ہو تو پھر انسان "شتر بے مہار" بن جاتا ہے ، اسے ذمے داری کا کوئی احساس نہیں رہتا -

آخرت کا عقیدہ کوئی فرضی اور خیالی بات نہیں بلکہ یہ ایک حقیقت ہے ، دنیا میں کتنے ہی ایسے ظالم ، چور ، ڈاکو اور فریبی ہیں جو دنیا میں پکڑے نہیں جاتے اور کسی کی گرفت میں نہیں آتے ، اگر آخرت نہ ہو تو انھیں سزا کہاں ملے گی ؟

یہ بھی غور کا مقام ہے کہ جس شخص نے ایک گاڑی کو پٹڑی سے اتار کر سینکڑوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور جس شخص نے خوراک میں زہر ملا کر ہزاروں آدمیوں کی زندگیاں ختم کر دیں اسے ہم یہاں کتنی سزا دے سکتے ہیں ؟ یہی کہ پھانسی پر ایک دفعہ لٹکا دیں - کیا یہ اتنی جانوں کا بدلہ ہو گیا ؟ نہیں - آخرت میں اسے پوری پوری سزا ملے گی -

بے شمار اہل ایمان نے خلق خدا کی خدمت کی ، نیک کاموں سے دنیا کو سنوارا ، اچھی ایجادوں سے خدا کی مخلوق کو سکھ

پہنچایا - اپنی قربانیوں سے ملکوں کو آزاد کرایا - وہ اپنی جان پر کھیل گئے اور جیتے جی کچھ نہ دیکھ سکے۔ انہیں بدلہ کہاں سے ملے گا ؟ اسکا جواب صرف یہی ہے کہ آخرت میں ، وہاں وہ اس قدر جزا پائیں گے کہ ہم اس دنیا میں اس کا تصور نہیں کر سکتے ، اللہ پاک ان سے راضی ہو جائیں گے اور وہ اللہ سے راضی ہو جائیں گے -

کُفر

یوں تو ''کفر'' کے لفظی معنی چھپانے اور پردہ ڈالنے کے ہیں اور '' کافر'' کے لفظی معنی چھپانے والے کے ہوتے ہیں لیکن قرآن کی زبان میں کافر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اسلام کا انکار کرے یا اللہ کو ایک نہ مانے یا حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی رسالت کا انکار کرے یا آپ ص کو آخری نبی نہ مانے۔ کفر کوئی مذاق نہیں کہ تکیہ کلام کے طور پر اس کا استعمال کیا جائے بلکہ یہ گمراہی کی انتہا ہے، جس میں کوئی انسان گرفتار ہو سکتا ہے۔ واقعی اس سے بڑی لعنت نہیں ہو سکتی کہ ایک شخص تک حق کا پیغام پہنچے اور وہ اسے نہ مانے بلکہ جان بوجھ کر اس کا انکار کر دے۔

کسی کو کافر کہنے سے انتہائی پرہیز اور احتیاط کرنی چاہیے ۔ کسی مسلمان کو تحقیق کیئے بغیر کافر کہہ دینا اپنے آپ کو کافر بنا لینے کے برابر ہوتا ہے ۔ حضور اکرم

صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے اس بارے میں بہت احتیاط کی تاکید فرمائی ہے ۔ کافر وہ ہے جو اللہ یا رسول کا منکر ہے اور دین اسلام کا انکار کرتا ہے ۔

نفاق

دو رخی پالیسی اور دل کے کھوٹ کو نفاق کہتے ہیں اور وہ شخص " منافق " ہے جو سچے دل سے اسلام کو نہ مانتا ہو ، زبان سے کلمہ پڑھتا ہو لیکن دل میں یقین نہ رکھتا ہو ، بظاہر اسلام سے دوستی کا دم بھرتا ہو اور مسلمان کہلاتا ہو لیکن درحقیقت دل میں کفر رکھتا ہو اور اندر سے کفر کے ساتھ ہو ۔

ایک منافق سے بڑھ کر اسلام کے لیے شاید اور کوئی شخص خطرناک نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ لوگ دوستی کے پردے میں دشمنی کرتے ہیں ، آستین کا سانپ بن کر اندر ہی اندر ڈستے ہیں ، مسلمانوں کے دشمنوں کو ان کے راز پہنچاتے ہیں اور اسلام کے خلاف چھپ کر سازشیں کرتے ہیں ۔

عام طور پر ہوا کا رخ دیکھنے والے ابن الوقت لوگ منافق بن جاتے ہیں ، یہ لوگ نفس کے غلام اور غرض کے بندے ہوتے ہیں ، اپنے فائدے کی خاطر مسلمانوں کے ساتھ ہو جاتے ہیں ، جب کام نکل جاتا ہے یا غرض پوری ہو جاتی ہے تو دشمنوں کے ساتھ جا ملتے ہیں ۔ یہ لوگ ذرا سی تکلیف اور آزمائش برداشت نہیں کر سکتے ، فوراً دین سے پھر جاتے ہیں ۔

قرآن شریف میں منافقوں کو بد ترین مخلوق کہا گیا ہے، ان کی سزا "عذاب الیم" ہے یعنی دردناک عذاب، ان کا مقام آخرت میں جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں ہوگا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس مرض سے بچائے اور سچا مومن بنائے۔

شرک

شرک توحید کی ضد ہے، اللہ پاک کو ایک نہ ماننا، بلکہ اس کی ذات و صفات میں کسی کو شریک ٹھہرانا شرک میں داخل ہے۔ "مشرک" شرک کرنے والے کو کہتے ہیں، یعنی وہ شخص جو کسی اور کو اللہ تعالیٰ کے برابر یا مدمقابل سمجھے، اس کی خدائی میں کسی کو شریک جانے۔ خدائے بزرگ و برتر کے نزدیک سب سے بڑا جرم شرک ہے۔ سورۂ لقمان میں ارشاد ہے اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ یقیناً شرک سب سے بڑا ظلم و گناہ ہے۔ مشرکوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرک کو نہیں بخشے گا اور جس کو چاہے گا بخش دے گا (سورۂ نساء : ۱۱۶)

شرک کوئی معمولی جرم نہیں، یہ اللہ تعالیٰ سے بغاوت اور اس سے غداری کے برابر ہے، اس کی مخلوق ہوتے ہوئے کسی اور سے دل لگانا یا کسی اور کو اس کے برابر ٹھہرانا کوئی معمولی خطا نہیں۔

شرک کی تین صورتیں ہیں:-

۱۔ کسی کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں شریک سمجھ لینا ۔

۲۔ کسی کو اللہ کی صفات میں شریک بنا لینا ۔

۳۔ کسی کو اللہ پاک کے احکام میں داخل کر لینا ۔

۳ ۔ اخلاق و اعمال

عدل

عدل کے معنی دو چیزوں کو برابر کر دینا اور برابر تقسیم کر دینا ہیں ۔ اسی کو انصاف کہتے ہیں ۔ جو شخص انصاف سے کام لے اور کسی سے نا انصافی نہ کرے ، اسے " عادل " کہتے ہیں ۔

عدل اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور " عادل " اللہ تعالیٰ کے مبارک ناموں میں سے ایک ہے ۔ جو شخص عدل و انصاف سے کام لیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا اظہار کرتا ہے ، اور اپنے آپ کو اللہ کے نیک بندوں میں شامل کر لیتا ہے ۔ قرآن مجید میں آیا ہے ۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ (سورۂ نحل : ۹۰) اللہ تعالیٰ انصاف اور نیکی کا حکم دیتا ہے " ایک دوسرے موقع پر فرمایا ہے ۔ اِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ ط (سورۂ نساء : ۵۸) " جب تم

لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو"۔

جو شخص انصاف سے کام نہیں لیتا وہ ظالم ہے اور ظلم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک بدترین گناہ ہے، یہ ایسا جرم ہے جس کی سزا بہت سخت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار فرمایا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ "یقیناً اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا"۔ کسی کا حق مار لینا یا کسی کا حق چھین لینا بھی ظلم ہے۔

حضرت رسول اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے فرمایا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم۔ کسی نے دریافت کیا کہ مظلوم کی امداد تو سمجھ میں آتی ہے لیکن ظالم کی مدد کیسے کی جائے؟ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے فرمایا کہ ظالم کو ظلم سے باز رکھنا اس کی مدد کرنا ہے۔

اپنے لوگوں میں انصاف کرنا آسان ہوتا ہے لیکن جب غیروں اور دشمنوں سے واسطہ پڑے تو اس وقت اچھے اچھے لوگوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں، اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (سورۂ مائدہ: ۸)

"کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ

انصاف نہ کرو ، (نہیں) تم انصاف کرو کہ یہ پرہیزگاری اور خدا خوفی کے نزدیک تر ہے"۔

دو جہانوں کے سردار نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا انصاف دور و نزدیک مشہور تھا - اپنے تو اپنے ، ان کے پاس دوسرے مذاہب والے بھی اپنے جھگڑے لے کر آتے - آپ ص حق و انصاف کے ساتھ فیصلے کرتے - آپ ص کے عدل کی وجہ سے دونوں فریق خوش ہو کر جاتے -

احسان

احسان کے معنی ہیں کسی کام کو حسن و خوبی کے ساتھ انجام دینا - یعنی "نیکی کرنا" - اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَ اَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ "اور نیکی کرو - اللہ کریم نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"- یہ وہ عمل ہے جو اللہ کے نزدیک بھی پسندیدہ ہے اور بندوں کے اندر بھی مقبول ہے - ہر کوئی نیکی کرنے والے کی عزت کرتا ہے اور اسے سر آنکھوں پر بٹھاتا ہے - نیکی کرنے والے کو "مُحسن" کہتے ہیں -

احسان کے معنوں میں ہر قسم کی نیکی شامل ہے مثلاً بات چیت میں اچھائی کا خیال رکھنا بھی احسان ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (سورۂ بقرہ : ۸۳)

لوگوں سے بات کرو تو اچھے طریقے سے کرو۔ اسی طرح فرمایا
وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا "اور ماں باپ سے نیکی کرو"۔

ایک مرتبہ حضور اکرمؐ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے احسان کی تعریف یوں فرمائی "احسان یہ ہے کہ جب تو عبادت کرے تو اس احساس سے کرے کہ تُو اللہ کو دیکھ رہا ہے یا کم از کم یہ کہ اللہ تجھے دیکھ رہا ہے"۔

حضورؐ نے جانوروں تک کے ساتھ نیکی کرنے کی تاکید فرمائی اور فرمایا۔ اَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ "ذبح کیے جانے والے جانوروں کے ساتھ اچھا سلوک کرو"۔ اور اس کی تشریح خود یہ فرمائی "کہ اسے تیز چھری سے ذبح کرو" تا کہ اسے تکلیف کم ہو اور جان آسانی سے نکل جائے۔

احسان کا ایک پہلو یہ ہے کہ کسی کو اس کے واجب حق سے زیادہ دیا جائے مثلاً مزدور سے جس قدر مزدوری طے کی ہو اس کے کام یا غربت سے متاثر ہو کر طے شدہ اجرت سے کچھ زیادہ اسے دے دیا جائے۔ یہ بڑی نیکی ہے اور تھوڑی سی کرنے سے بھی انسان دوسرے کا دل موہ لیتا ہے اور اسے اپنے احسان کا گرویدہ بنا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا
وَاَحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ (سورہ قصص: ۷۷) "او

تم دوسروں سے حسن سلوک کرو جیسا کہ تم پر اللہ کریم نے احسان کیے ہیں"۔ اس بارے میں ہم ایک مختصر سی گفتگو نقل کرتے ہیں ۔ یہ گفتگو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّمؐ اور ان کے ایک صحابی حضرت ابوذرؓ غفاری رضی اللہ عنہ کے درمیان ہوئی تھی ۔

ابوذر غفاریؓ : یا رسول اللہ ! ایمان کے ساتھ کوئی عمل بتلائیے ۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم : جو روزی خدا نے دی ہے تم دوسروں کو دو ۔

ابوذر غفاریؓ : اگر کوئی خود ہی غریب ہو تو پھر ؟

آنحضرت صلعم : اپنی زبان سے اچھی بات کہو ۔

ابوذر غفاریؓ : اگر کوئی زبان سے بات کرنے سے معذور ہو تو پھر ؟

آنحضرت صلعم : مغلوب اور مظلوم کی مدد کرو ۔

ابوذر غفاریؓ : اگر کمزور ہو اور مدد نہ کر سکتا ہو تو پھر کیا کرے ؟

آنحضرت صلعم : جس کا کام کوئی نہ کرتا ہو تم اس کا کام کر دو ۔

حلال و حرام

شریعت نے جن چیزوں کو جائز قرار دیا ہے انھیں "حلال" کہتے ہیں اور جن چیزوں سے روکا ہے اور ناجائز کہا ہے انھیں "حرام" کہتے ہیں۔

حلال و حرام کی تمیز دین کی جان ہے اور ساری نیکیوں کا دار و مدار اس پر ہے کہ انسان حلال کو استعمال کرے اور حرام کے قریب نہ جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا (سورۂ بقرہ (۲) : ۱۶۸) "زمین کی چیزوں میں سے حلال اور پاک اشیاء کھاؤ"۔

قرآن مجید اور احادیث میں حلال و حرام کی تفصیل پوری طرح موجود ہے مثلاً جو جانور حلال ہیں یا وہ جانور جو حرام ہیں، ان کی فہرست جا بجا درج ہے۔ وہ عورتیں جن سے نکاح جائز نہیں ان کا ذکر بھی وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ یہ بات کون نہیں جانتا کہ پرایا مال اجازت کے بغیر کسی طرح بھی حلال نہیں ہو سکتا۔ اس طرح جو شے پاک کمائی سے حاصل نہ کی گئی ہو حرام ہوتی ہے اور حلال و حرام کا یہ مسئلہ صرف کھانے پینے کی چیزوں تک محدود نہیں بلکہ لباس اور زندگی کی ضروریات میں سے ہر شے کے اندر اس کا خیال ضروری ہے۔